آتش قدم

جرم کے اس پودے کی کہانی جو تناور درخت بن چکا تھا لیکن اس کی شاخیں آپس ہی میں الجھ پڑی تھیں۔
ماں کی ممتا کا حال جس کے قدموں تلے جنت ہے۔
ایک بیوی کا فسانۂ عبرت، اس کے قدموں تلے جہنم کی آگ تھی۔

دروازہ کھُلا ہوا تھا کوئی بھی اندر آسکتا تھا۔ اس لئے سُرخ سینڈل والا ایک پاؤں اندر آگیا۔ پھر دوسرا پاؤں داخل ہوا۔ وہ دونوں پاؤں چوکھٹ کی طرف گھوم گئے۔ جیسے واپس جانا چاہتے ہوں لیکن پُراسرار انداز میں دبے قدموں آنے والی یونہی واپس نہیں جاسکتی تھی۔ اس نے واپس جانے کا راستہ نہیں رکھا۔ اس دروازے کو بند کر دیا۔

اندر کہیں سے کوئی بول رہا تھا۔ بولنے والے کی آواز آرہی تھی۔ الفاظ سمجھ نہیں آرہے تھے۔ وہ دونوں سینڈل چپکے چپکے آگے بڑھنے لگے۔ سینڈلوں کی ایڑیاں خاصی اونچی تھیں۔ ان کی اونچائی عورت کو سرو قد بنا رہی تھی۔ انگڑائی کی اٹھان پر لے جارہی تھی۔ اس نے چلتے چلتے ایک ہاتھ کو نیچے کیا۔ اس ہاتھ میں وہ پٹرول کا ایک پلاسٹک کین پکڑے ہوئے تھی۔ ہاتھ کی گرفت بتا رہی تھی کہ وہ پلاسٹک کین پٹرول سے بھرا ہوا ہے۔

اندر کہیں سے بولنے والی کی آواز کچھ واضح ہوگئی تھی۔ توجہ دینے سے الفاظ بھی کانوں میں پڑ سکتے تھے۔ دونوں سینڈل چلتے چلتے ایک کھڑکی کے پاس رک گئے۔ کھڑکی کا پردہ ایک ذرا سرکا ہوا تھا۔ اندر ایک بیڈ روم میں ایک بوڑھا شخص آئینے کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ پہلوانوں کے انداز میں دونوں بازوؤں کی مچھلیاں ابھار رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے' میں ساٹھ برس کا ہوں مگر اپنے باپ کو بوڑھا نہ سمجھو۔ میں دو جوانوں کو اپنے بازوؤں میں دبوچ کر ٹھنڈا کر سکتا ہوں۔ رات کو میرے تکئے کے نیچے ریوالور رہتا ہے۔ پھر تم ڈرتی کیوں ہو؟"

ایک نوجوان لڑکی اس کے قریب آکر بولی۔ "ڈیڈی! دولت بڑھتی جائے تو ایک ریوالور اور بڑھاپے کی طاقت ناکافی ہوتی ہے۔ دولت کے ساتھ ساتھ مسلح محافظوں کی تعداد بڑھتی ہے۔ جب وہ دولت مند بادشاہت کے مرتبے پر پہنچتا ہے تو محافظوں کی تعداد فوجی تعداد تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ بات آپ کیوں نہیں سمجھتے۔ کم از کم ایک باڈی گارڈ رکھ لیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "ثمینہ! تم نے اکثر دیکھا ہے کہ میں رات دس گیارہ بجے تک

گھر کے دروازے کھلے رکھتا ہوں۔ جانتی ہو کیوں؟"

"کیوں ڈیڈی؟"

"اس لئے کہ مجھے چوری کا ڈر نہیں رہتا اور چوری کا ڈر اسے نہیں رہتا' جس کے پاس مال نہیں ہوتا۔ میں لنڈے بازار کے کپڑے پہنتا ہوں۔ ایک کھٹارا کار میں آتا جاتا ہوں۔ میرے گھر میں معمولی فرنیچر ہے۔ چور ڈاکو پہلے مکان کو اور مالک مکان کو تاڑتے ہیں پھر واردات کے لئے آتے ہیں۔ میں نے ان کے تاڑنے کے لئے کچھ چھوڑا نہیں ہے۔ اس لئے یہاں کوئی ڈاکو نہیں آتا۔ آئے گا تو مجھے کچھ خیرات دے کر چلا جائے گا۔"

بیٹی پریشان ہوکر دروازے کی طرف دیکھتی ہوئی آہستگی سے بولی۔ "مگر ڈیڈی! آپ تو دولت اسی کمرے میں چھپا کر رکھتے ہیں۔"

"آہستہ بول۔" وہ سرگوشی میں ڈانٹ کر بولا۔ "باہر کا دروازہ کھلا ہے' کوئی بھی آکر سن سکتا ہے۔"

"تو آپ اسے بند کر دیں۔"

"اچھا ٹھہر' میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ کمرے سے باہر آیا۔ بیٹی ثمینہ بھی پیچھے پیچھے آگئی۔ باپ نے دائیں بائیں محتاط نظروں سے دیکھا پھر کوریڈور سے گزر کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہاں سے چلتا ہوا دوسرے کمرے سے نکل کر ٹی وی لاؤنج میں پہنچا' پھر ٹھٹک گیا۔

اس نے ٹی وی لاؤنج کا دروازہ کھلا چھوڑا تھا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ اس نے پلٹ کر ثمینہ سے پوچھا۔ "یہ دروازہ تم نے بند کیا تھا؟"

"جی نہیں' میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ یہ کھلا تھا۔ ڈیڈی! میں کچھ سوچ کر ہی ایک باڈی گارڈ رکھنے کے لئے کہتی ہوں۔ بلکہ ایک سیکریٹری بھی ہونا چاہئے تاکہ وہ یاد دلائے کہ آپ نے فلاں وقت دروازہ بند کیا تھا۔ بڑھاپے نے آپ کی یادداشت پر بُرا اثر ڈالا ہے۔"

وہ سوچنے کے انداز میں بولا۔ "میں اِدھر دوبارہ آیا تھا۔ یاد نہیں آرہا ہے شاید کسی وقت بند کیا ہو مگر کس وقت؟"

"اوہ ڈیڈی! کمزور یادداشت کا مطلب ہے جو بات دماغ سے نکل گئی وہ پھر سر پٹخنے سے بھی یاد نہیں آئے گی۔ آئیں کمرے میں چلیں۔"

وہ ثمینہ کے ساتھ مکان کے ایک ایک حصے سے گزرتا ہوا صوفوں' الماریوں اور

پردوں کے پیچھے دیکھتا گیا۔ یقین کرتا گیا کہ بند مکان میں باپ بیٹی کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اس نے بیڈ روم میں آکر کہا۔

"میں کئی دنوں سے سوچ رہا ہوں' تمہیں راز دار بنالوں۔ میرا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ میری موت سے پہلے تمہیں دو باتوں کا علم ہونا چاہئے۔"

"اس کا مطلب ہے' آپ اندیشوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ آپ موت کی بات کرتے ہیں مگر حفاظتی انتظامات نہیں کرتے۔"

"بیٹی! مجھے باہر والوں سے خطرہ نہیں ہے۔ میں دروازہ کھُلا رکھوں تب بھی کوئی ڈاکو یہاں نہیں آئے گا اور دروازہ بند رکھوں تب بھی وہ مجھے قتل کرنے پہنچ جائیں گے۔"

"آپ کن قاتلوں کی بات کر رہے ہیں' کیا انہیں جانتے ہیں آپ؟"

"ہاں' وہ سب میرے بزنس پارٹنر ہیں۔"

"آپ پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں لکھواتے؟"

"کیا لکھواؤں.......... میں قتل نہیں کیا گیا ہوں۔ میں نہیں جانتا ان میں سے کس کی نیت میرے مال پر ہے' کون مجھے قتل کرے گا؟ پھر وہ بھی مجھ سے سہمے رہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے' میں انہیں ٹھکانے لگادوں گا۔ ہم پانچ پارٹنر ہیں اور پانچوں ہی ایک دوسرے سے خوفزدہ اور محتاط رہتے ہیں۔"

"مجھے تو آج تک آپ کا بزنس سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ اتنا ہی بتاتے ہیں کہ ہم بہت دولت مند ہیں اور تمام کالا دھن قانون کی اور مجرموں کی آنکھوں سے چھپا کر رکھتے ہیں۔"

وہ ایک آہنی تجوری کے پاس آکر بولا۔ "میں نے ایک راز اپنے بزنس پارٹنر کے متعلق بتایا۔ دوسرا راز یہ تجوری ہے۔ یہ ان نمبروں سے کھلتی ہے۔ ایک صفر ایک صفر ایک۔ یہ دیکھو۔"

اس نے مخصوص نمبروں سے اس کے لاک کو کھولا۔ ثمینہ بے چینی سے دیکھ رہی تھی لیکن تجوری کا پٹ کھلتے ہی اس نے حیرانی سے باپ کو دیکھا۔ تجوری خالی تھی۔ اندر ایک خانے میں ایک روپیہ چار آنے رکھے ہوئے تھے۔ وہ بولی۔ "ڈیڈی! یہ کیا ہے؟"

وہ بولا۔ "کالے دھن کا چھُپانے کے لئے شگون کے طور پر ایک روپیہ چار آنے رکھے ہیں۔ اصل دولت تجوری کے نیچے ہے۔ اب دیکھو' اس کا نچلا حصہ ہٹانے کے لئے تالا چابی نہیں ہے۔ صرف ایک یہ آہنی گھنڈی ہے لیکن یہ گھنڈی اپنی جگہ سے نہ ہل سکتی

ہے' نہ ٹوٹ سکتی ہے اور نہ ہی گھمانے یا ہٹانے کا کوئی مخصوص نمبر ہے۔"

"پھر یہ نچلا حصہ کیسے کھلے گا؟"

وہ ایک لائٹر نکال کر جلاتے ہوئے بولا۔ "حرارت سے.........."

اس نے لائٹر کے ننھے سے شعلے سے آہنی گھنڈی کو آنچ دی۔ چند سیکنڈ تک حرارت ملتے ہی گھنڈی خود بخود گھومنے لگی۔ اس کی گردش کے ساتھ تجوری کا نچلا حصہ ایک طرف سِرکنے لگا۔ بڑے بڑے نوٹوں کی گڈیاں نظر آنے لگیں۔ پتہ نہیں وہ موٹی گڈیاں تجوری کے نچلے حصے میں فرش کے نیچے کہاں تک بھری ہوئی تھیں مگر قارون کے خزانے کا اندازہ ہوگیا۔

وہ حیرت اور مسرت سے بولی۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ نے اتنی دولت جمع کی ہوگی۔"

"یہ کالا دھن ہے۔ اسے ہم ظاہر نہیں کرسکتے۔ مگر دل کھول کر خرچ کرسکتے ہیں۔ یہ سب تمہارا ہے۔"

"ڈیڈی! یہ توقع سے بھی زیادہ ہے۔ آپ بزنس کی پارٹنر شپ چھوڑ دیں۔ اپنے پارٹنروں سے کہیں کہ آئندہ آپ ان کے منافع میں شریک نہیں ہوں گے۔ جب آپ ان سے کچھ نہیں لیں گے تو وہ آپ سے دشمنی نہیں کریں گے۔"

"بیٹی! بات منافع کی نہیں' رازداری کی ہے۔ ہم پانچوں ایک دوسرے کے رازدار ہیں جیسے میں چاہتا ہوں کہ میرے مجرمانہ دھندے کے وہ چاروں رازداں مرجائیں۔ کسی مرحلے پر کوئی مجھے بلیک میل کرنے والا نہ رہے اور میں ایک شریف آدمی کی طرح زندگی گزارنا شروع کردوں۔ اسی طرح وہ چاروں بھی اپنی اپنی جگہ دوسرے کی موت اور اپنی شریفانہ زندگی کے بابے میں سوچتے ہیں۔"

"آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ باقی چار بھی اپنی سلامتی اور دوسرے کی موت چاہتے ہیں؟"

وہ ایک گہری اور پچھتاوے بھری سانس لے کر بولا۔ "بیٹی ہم پانچوں کی اولاد ہے۔ ہم میں سے کوئی نہیں چاہتا کہ اس کے کالے دھندے کی سزا اس کی اولاد کو ملے۔ ہم کسی وقت بھی گرفتار ہوسکتے ہیں' یا پولیس مقابلے میں مارے جاسکتے ہیں۔ ہر صورت میں ہماری اولاد کو بدنامی ملے گی۔ اس سے پہلے ہم یہ دھندا چھوڑ کر شریفانہ زندگی کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔ دھیرے دھیرے کالے دھن کو سفید بنانا چاہتے ہیں تاکہ ہماری اولاد سفید پوش

رہے۔"

"تو اس میں رکاوٹ کیا ہے؟ آپ پانچوں آپس میں متحد رہ کر نئی زندگی کا آغاز کرسکتے ہیں۔"

"نہیں کرسکتے۔ آپس میں اپنے بچوں کی شادیاں کرکے رشتے داریاں مستحکم کرکے بھی متحد نہیں رہ سکتے' کیونکہ ہم میں سے ایک کبھی موچی تھا' دوسرا کبھی حجام تھا' تیسرا ایک ہندو ہے' چوتھا سیّد ہے اور ہم شیخ ہیں۔ میں کسی موچی یا حجام کے خاندان میں تمہیں بیاہ نہیں سکتا۔ کسی ہندو سے کاروبار ہوسکتا ہے' رشتہ نہیں ہوسکتا اور سیّد کے ہاں تمہاری عمر کا کوئی لڑکا نہیں ہے۔ نیچ خاندان کے لوگ نیچ خیالات کے حامل ہوتے ہیں' وہ قابلِ اعتبار راز دار نہیں بن سکتے۔ میں نے ان میں سے تینوں کو تمہارا رشتہ دینے سے انکار کیا ہے۔ اس لئے وہ مجھے کسی وقت بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

اس نے تجوری کو پہلے کی طرح بند کر دیا۔ پھر کہا۔ "میں نے سوچا ہے' یہ دولت چپکے چپکے دوسرے ملک میں تمہارے نام ٹرانسفر کردوں گا۔ تم شادی کرکے اُسی ملک میں رہو گی۔ یہاں میں بزنس پارٹنروں سے نمٹ لوں گا۔"

"میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

"تمہارے جانے میں ہم دونوں کی بھلائی ہے۔ ہم اس مسئلے پر پھر گفتگو کریں گے۔ جاؤ' اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو۔"

وہ سر جھکا کر سوچتی ہوئی چلی گئی۔ اس نے دروازے کو بند کیا لیکن چٹخنی نہیں لگائی۔ لباس اتار کر شب خوابی کا لباس پہننے لگا۔ اسی وقت سرخ سینڈلوں والے پیر پلنگ کے نیچے سے نکلنے لگے۔ وہ آواز پیدا کئے بغیر قالین پر لڑھکتی ہوئی نیچے سے سے نکل آئی۔ وہ پاجامہ پہننے کے بعد قمیض پہن رہا تھا۔ دونوں ہاتھ آستینوں میں ڈال کر اپنا سر قمیض میں ڈال رہا تھا۔ تب خیال آیا کہ سر ڈالنے سے پہلے گریبان کے بٹن کھولنا بھول گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں دونوں ہاتھ آستینوں میں اور سر گریبان کے اندر پھنس گیا تھا۔ ایسے وقت اکثر لوگ قمیض نہیں اتارتے۔ اسی طرح قمیض میں الجھے ہوئے سر کو بھی الجھائے ہوئے کچھ دیکھے بغیر دونوں ہاتھوں سے بٹن کھولتے ہیں۔

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ پلنگ کے سرہانے سے ٹیبل لیمپ اٹھا کر اس کے سامنے آئی۔ وہ کسی اندھے کی طرح دونوں ہاتھوں سے ٹٹول کر بٹن کھول رہا تھا۔ اسی وقت سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ وہ گریبان کے اندر رہ کر ڈگمگایا پھر قمیض

کی قید سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا لیکن دوسری بار ٹیبل لیمپ نے سر کو لہولہان کر دیا۔ وہ بڑی نقاہت سے چلایا پھر اس کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔ حملہ کرنے والی نے اسے دھکا دے کر صوفے پر گرا دیا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آرہی تھی۔ ثمینہ پوچھ رہی تھی۔ "ڈیڈی! کیا ہوگیا؟ میں نے آپ کو چیختے ہوئے سنا ہے۔"

اس نے دوڑتے ہوئے آکر جھٹکے سے دروازہ کھولا۔ پھر ٹھٹک گئی۔ باپ قمیض کے گریبان اور آستینوں میں الجھا ہوا بے حس وحرکت صوفے پر پڑا نظر آیا۔ سر کی طرف قمیض لہو سے بھیگ رہی تھی۔ اس کے پیچھے ایک عورت دکھائی دی۔ وہ تکیے کے نیچے سے ریوالور نکال کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "یہ تمہارے باپ کی حفاظت کرنے والا ریوالور ہے۔ اس سے تمہاری موت ہوسکتی ہے۔ زندہ رہنا چاہتی ہو تو منہ سے آواز نہ نکالنا۔"

ثمینہ نے خوف کے مارے اپنا ایک ہاتھ منہ پر رکھ لیا تاکہ بے اختیار نکلنے والی آوازوں کو روک سکے۔ ریوالور والی نے بھرائی ہوئی آواز میں بات کی تھی یعنی وہ اپنی اصل آواز چھپا رہی تھی۔ اس کا چہرہ بھی سفید ماسک میں چھپا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے دونوں ہاتھوں کو بھی دستانوں میں چھپا رکھا تھا۔ اس کے بدن کی جلد اور جلد کی رنگت کہیں سے جھلک نہیں رہی تھی۔ اتنی روپوشی کے بعد اس کی عمر کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ یوں بھی موت کی عمر کا حساب کسی نے نہیں لگایا۔ اس کی مہلت ہی نہیں ملتی۔

وہ اپنے شکار کو صوفے اور رسیوں کے درمیان جکڑ رہی تھی اور بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "میں نے 'ایک صفر ایک صفر ایک' سے تجوری کھول کر یہ ایک کیسٹ نکالی ہے' صرف یہی ایک کیسٹ یہاں سے لے جاؤں گی۔ باقی تمام دولت پر تمہارا حق ہے۔ اسے میں تمہارے لئے چھوڑ کر جارہی ہوں۔"

بے ہوش ہونے والے کو ہوش آرہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا۔ شکار کرنے والی نے گریبان کے بٹن کھول دیئے اس کا سر قمیض کے اندر سے نکل آیا۔ وہ گہری گہری سانس لینے لگا۔ ثمینہ نے کہا۔ "تم ساری دولت میرے لئے چھوڑ رہی ہو' میں ہاتھ جوڑ کر التجا کرتی ہوں' دولت لے جاؤ' میرے باپ کو چھوڑ دو۔"

"میں تمہارے باپ کو پاک کر رہی ہوں۔ یہ اولاد کی شریفانہ زندگی کے لئے اپنی پچھلی زندگی پر خاک ڈالنا چاہتا ہے۔ میں جب یہاں سے چلی جاؤں گی تو لوگ آئیں گے اور اسے خاک میں ملانے لے جائیں گے۔"

وہ گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔ ”تم کون ہو؟ مجھ سے کیوں دشمنی کر رہی ہو؟“

وہ خاموش رہی۔ اس نے میز پر سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا۔ اس میں سے سگریٹ نکالی۔ سینڈل کی ایک اونچی ایڑی کے آخری سرے پر ننھی سی چرخی لگی ہوئی تھی۔ اس نے کھڑے ہی کھڑے چرخی کو فرش پر ایک رگڑا دیا تو ایڑی کے نچلے حصے سے ننھا سا شعلہ نمودار ہوگیا۔ ثمینہ اور اس کا باپ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ زندگی میں پہلی بار ایسا لائٹر دیکھنے میں آیا تھا۔ اس عورت نے جھک کر سگریٹ سلگائی۔ پھر وہ سگریٹ اپنے شکار کے ہونٹوں کے درمیان رکھ دی۔ وہ سہما ہوا تھا۔ پھر بھی ایک کش لگا کر بولا۔

”شکریہ! سگریٹ سلگا کر دینا ایک دوستانہ عمل ہے۔ میں تمہاری رہی سہی دشمنی کو دوستی میں بدل دوں گا۔ مجھے بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟“

اس نے پلنگ کے پاس جاکر پٹرول سے بھرے ہوئے پلاسٹک کین کو اٹھایا۔ اس کا ڈھکن گھما کر کھولنے لگی۔ وہ گھبرا کر بولا۔ ”یہ کیا ہے؟“

وہ آرام سے چلتی ہوئی دروازے تک آئی۔ قالین وہاں تک بچھا ہوا تھا۔ وہ کھلے ہوئے کین سے قالین پر پٹرول ڈالتے ہوئے شکار کی طرف جانے لگی۔ شکار سمجھ گیا' سگریٹ سلگا کر منہ میں دینا دوستی نہیں دشمنی تھی۔ وہ پٹرول اس پر آتا تو فوراً ہی سلگتے ہوئے سگریٹ سے آگ لگ جاتی۔ اس نے گھبرا کر سوچا کیا کرنا چاہیئے؟ اگر ہونٹوں کے درمیان سے سگریٹ گرائے گا تو وہ اس کے لباس یا قالین پر گرے گی۔ پٹرول وہاں بھی پہنچے گا۔ اس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اسے بجھا نہیں سکتا تھا۔ وہ پٹرول ڈالتی ہوئی قریب آرہی تھی۔ اب بچاؤ کا ایک ہی راستہ تھا۔ وہ جلدی جلدی سگریٹ کو چباتے ہوئے منہ کے اندر لے گیا۔ آخری سرے پر جلتی ہوئی ننھی سی آگ کو بھی چبا ڈالا۔ واہ' آدمی موت سے بچنے کے لئے کیسی کیسی حرکتیں کر گزرتا ہے۔

وہ قریب آکر شکار پر پٹرول ڈالنے لگی۔ ثمینہ رو رہی تھی اور شکار رسیوں میں بندھا ہوا تڑپ رہا تھا۔ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

”بچاؤ' مجھے بچاؤ۔ میرے کسی بزنس پارٹنر نے اسے بھیجا ہے۔ یہ مجھے جلا کر مار ڈالے گی۔ بچاؤ بچاؤ۔“

اس نے کین کو ایک طرف پھینک دیا۔ ثمینہ کا بازو پکڑ کر کھینچتی ہوئی کمرے سے باہر آئی۔ اسے دور کوریڈور میں دھکا دے کر گرا دیا۔ پھر دروازے پر سے پلٹ کر شکار کو دیکھا۔ وہ جہاں کھڑی ہوئی تھی' وہیں سے قالین پٹرول میں بھیگتا گیا تھا۔ اس نے کھڑے ہی

کھڑے ایڑی کی چرخی کو فرش پر رگڑ دیا۔ فوراً ہی ننھا سا شعلہ برآمد ہوگیا۔ شکار ہذیانی انداز میں چیخیں مارنے لگا۔ ”نہیں نہیں' مجھے نہ جلاؤ' مجھے چھوڑ دو' میری ساری دولت لے لو۔“

اس ننھے شعلے نے پٹرول سے بھرے ہوئے قالین کو چھو لیا۔ ایک دم سے آگ بھڑک گئی۔ بھڑکتی ہوئی آگ' لپکتے ہوئے شعلوں کی صورت میں پھیلتی اور بڑھتی ہوئی شکار تک پہنچی۔ وہ ایک ساعت میں شعلوں کے درمیان گم ہوگیا۔ صرف اس کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ ثمینہ کھڑکی کی جالیاں پکڑ کر چیخ چیخ کر باپ کو پکار رہی تھی۔

اونچی ایڑی فرش سے لگی تو ایڑی لائٹر بجھ گیا۔ وہ اطمینان سے قدم بڑھاتی ہوئی کوریڈور سے گزر کر مکان سے باہر جانے لگی۔ اونچی ایڑیوں سے عورت قد آور ہوجاتی ہے۔ سینڈل کی اونچائی اسے سرو قد بنا رہی تھی۔ اس کے قد کو انگڑائی کی اٹھان پر لے جارہی تھی۔ شاید موت ایسی ہی انگڑائی لیتی ہے۔ ایسی ہی اٹھان ہوتی ہے اس کی..........

☆======☆======☆

شہناز کو تعزیت کے لئے جانا تھا۔ اس لئے ہلکا سا میک اپ کیا۔ کوئی بھڑکیلا لباس نہیں پہنا مگر جو بھی پہنا وہ جاذبِ نظر تھا۔ سوسائٹی میں حسین اور بھرپور کہلانے والی عورت کا دل نہیں مانتا۔ وہ شادی میں جائے یا سوگ منانے جائے' اپنے حسن اور جاذبیت کی تھوڑی تھوڑی سی جھلک کسی بہانے ضرور پیش کرتی جاتی ہے۔

کامل نے کمرے میں آکر اسے دیکھا۔ پھر قریب آکر اس کے منہ پر اخبار مارتے ہوئے بولا۔ ”یہ اخبار پڑھا ہے؟“

”ہاں پڑھا ہے۔ یہ غصہ دکھاؤ اپنی ماں کو۔ میں بیوی ہوں تمہاری' دھونس میں رہنے والی نہیں ہوں۔“

”کوئی مجھے بھی زندہ جلا کر مار ڈالے گا تو پھر بیوی نہیں رہو گی بیوہ کہلاؤ گی۔ یہ میک اپ اور بھڑکیلے کپڑے الماری میں رہ جائیں گے۔“

”بڑی خوش فہمی ہے کہ میں بیوہ بن کر رہوں گی۔ کیا دوسرا شوہر کہلانے والوں کا قحط پڑ گیا ہے؟“

اس نے ناگواری سے شہناز کو دیکھا۔ پھر فون کے پاس آکر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرتے ہوئے بولا۔ ”امی درست کہتی ہیں۔ تمہارے دل میں صرف میری دولت کے لئے جگہ ہے تم میری موت سے پہلے ہی دوسری شادی کا خواب دیکھ رہی ہو۔“

وہ ہیئر برش کو سنگھار میز پر پھینکتے ہوئے بولی۔ "میں نے تمہارے جیسا بزدل نہیں دیکھا۔ کبھی قانون سے ڈرتے ہو، کبھی موت سے۔ مانا کہ تمہارے ایک پارٹنر کو کسی نے زندہ جلا دیا ہے، کوئی ضروری تو نہیں کہ تمہیں بھی کوئی قتل کردے۔"

فون پر رابطہ قائم ہوگیا۔ اس نے کہا۔ "ہیلو، میں کامل بول رہا ہوں۔ فون اپنے مالک کو دو۔"

چند سیکنڈ کے بعد آواز آئی۔ "ہیلو کامل! سلامت علی بول رہا ہوں۔ کیا تم نے آج کا اخبار پڑھ لیا ہے؟"

"جی ہاں، سب سے پہلے آپ ہی سے بات کر رہا ہوں۔ شیخ جی جواد ہمارا بہترین پارٹنر تھا۔ اخباری اطلاع کے مطابق کسی نے بڑی سنگ دلی سے اس پر پیٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔ ایسے وقت آپ کی بات یاد آرہی ہے۔"

سلامت علی نے کہا۔ "ہاں، میں نے کہا تھا اگر ہم نیک نیتی اور سچائی سے متحد نہیں رہیں گے تو ایک ایک کرکے مارے جائیں گے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، میری پیشین گوئی اتنی جلدی درست ثابت ہوگی۔ اب ہم چار رہ گئے ہیں۔"

"آج یا کل تین رہ جائیں گے۔ پھر دو، پھر ایک۔ وہ جو ایک بچے گا، وہ خوش نصیب ہوگا کیونکہ اسے مارنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ کیا آپ پھر پیشین گوئی کریں گے کہ دوسرا نمبر کس کا ہے؟"

"برخوردار! تم مجھ پر شبہ کر رہے ہو۔"

"کیا نہیں کرنا چاہئے؟"

"تم سے پہلے ہمارے ایک اور پارٹنر دھنی رام کا فون آیا تھا۔ وہ بھی مجھ پر شبہ کر رہا تھا کیونکہ میں نے اس سے بھی یہی بات کہی تھی کہ اگر ہم متحد نہ رہے تو مارے جائیں گے اور یہ بات میں اپنے ہر پارٹنر سے کہہ چکا ہوں۔ اگر میری نیت میں کھوٹ ہوتا تو میں پیشین گوئی نہ کرتا۔ خاموشی سے واردات کرتا چلا جاتا۔ بائی دی وے میں اپنے بارے میں زیادہ صفائی پیش نہیں کروں گا۔ میں سانچ ہوں، مجھ پر آنچ نہیں آئے گی۔ خدا حافظ۔"

دوسری طرف سلامت علی نے ریسیور رکھ دیا۔ شہناز نے پوچھا۔ "کس سے بات کر رہے تھے؟"

"سیّد سلامت علی سے۔ تم یہ بن سنور کر کہاں جارہی ہو؟"

"کیا اسے بننا سنورنا کہتے ہیں؟ میں شیخ جواد کی بیٹی کے پاس جارہی ہوں۔ کیا پُرسے

میں جانے کے لئے میک اپ کروں گی۔ قدرت نے مجھے ایسا حسن اور دلکشی دی ہے کہ مرد تو مرد، عورتیں بھی مجھے میک اپ میں سمجھتی ہیں۔"

"شہناز بیگم! میں شوہر ہوں۔ تمہیں صبح سویرے ہی میک اپ کے بغیر دیکھ چکا ہوں۔ سنگھار سے پہلے اور سنگھار کے بعد والی بیوی کو خوب پہچانتا ہوں۔ کم از کم میرے سامنے ڈینگیں نہ مارا کرو۔"

وہ بھڑک کر بولی۔ "تم نے کیا دیکھا ہے، کیا میک اپ کے بغیر چڑیل دکھائی دیتی ہوں؟ تم مردوں کے لئے تو گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے۔ میں خوب سمجھتی ہوں، تمہاری ماں مجھ سے جلتی ہے۔ تمہیں میرے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ میری چھٹی کرکے دوسری بہو لانا چاہتی ہے۔"

وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "فار گاڈ سیک ہر بات میں میری امی کو نہ گھسیٹا کرو۔ جب وہ سامنے ہوتی ہیں تو ان کے رعب اور دبدبے کے سامنے تمہاری زبان بند ہوجاتی ہے۔"

"تم تو تھالی کے بینگن ہو، کبھی میری طرف آتے ہو کبھی ماں کی طرف لڑھک جاتے ہو۔ ذرا غور کرو میں تمہاری عزت، شہرت اور دولت کو قائم رکھنے کے لئے کیسی کیسی کوششیں کرتی رہتی ہوں۔ مگر تم ماں کی وکالت کرتے رہتے ہو۔"

"شہناز! ٹھنڈے دماغ سے سوچو، امی کتنی دُور اندیش ہیں۔ وہ ہمیشہ سے کہتی آرہی ہیں کہ مجھے کالا دھندا چھوڑ دینا چاہئے قانون سے کھیلنے والے ایک نہ ایک دن گرفت میں آجاتے ہیں۔ پھر برسوں کی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔"

"عزت؟ اونہہ، یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ تمہارے باپ دادا موچی تھے۔ سڑک کے کنارے جوتے گانٹھا کرتے تھے پھٹی پرانی چپلیں سلائی کیا کرتے تھے۔ اگر تمہارے ابو اس دھنی رام اور سلامت علی کی بات نہ مانتے۔ جوتوں اور سینڈلوں کے باٹم میں چرس بھرنے پر آمادہ نہ ہوتے تو آج بھی چھوٹی ذات کے موچی کہلاتے۔ اب ہم موچی نہیں، شوز فیکٹری کے مالک ہیں۔ جب تک دولت بڑھتی رہے گی ہمیں یا باٹا کمپنی کے مالکان کو کوئی موچی نہیں کہے گا۔"

"کبھی کبھی تم ایسی مدلّل گفتگو کرتی ہو کہ امی کی نصیحتیں کمزور پڑجاتی ہیں۔"

"تمہاری ماں کی نصیحتیں ہزاروں سال پرانی ہوچکی ہیں۔ عزت اور شہرت کو قائم رکھنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ دولت بڑھتی رہے۔ دولت کمانے کا جو راستہ تمہارے باپ

نے اختیار کیا تھا' اسے ماں کے کہنے پر چھوڑ دو گے تو پچھتاؤ گے۔"

"میں تمہاری بات سمجھتا ہوں لیکن ہم چار پارٹنر ایک دوسرے کے لئے آستین میں چھپے ہوئے سانپ کی طرح ہیں' سب ایک دوسرے پر شبہ کرتے رہیں گے۔ کیا تمہیں ذرا بھی اندیشہ نہیں ہے کہ کسی وقت مجھ پر بھی قاتلانہ حملہ ہو سکتا ہے؟"

"دولت کمانے والا ہر مرد خطرات سے گزرتا ہی رہتا ہے۔ میں صرف تمہاری زندگی کی ساتھی نہیں ہوں' موت کے وقت بھی ساتھ رہوں گی' ساتھ مروں گی۔"

"میری جان! تمہاری یہی باتیں میرا حوصلہ بڑھاتی ہیں۔ آؤ ہم بے چاری ثمینہ کے پاس چلیں۔"

وہ الماری کے پاس آئی۔ باہر جانے کے لئے لباس سے میچ کرتے ہوئے سینڈل پہننے تھے۔ اس نے الماری کھولی۔ نچلے حصے میں سینڈلوں کی درجنوں جوڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک' نئے ڈیزائن کی جوتیاں اور چپلیں بھی تھیں۔ ان میں سرخ سینڈلوں کی وہ جوڑی بھی تھی جس کی ایک اونچی ایڑی میں لائٹر کی چرخی لگی ہوئی تھی۔

شہناز نے کن انکھیوں سے اپنے شوہر کو دیکھا۔ کامل کو اونچی ایڑی کے سینڈل پسند نہیں تھے کیونکہ وہ قد میں شہناز سے ایک انچ اونچا تھا۔ ہائی ہیل کے سینڈل پہن کر شہناز اس سے اونچی ہو جاتی تھی۔ اسی لئے وہ کامل کے ساتھ کہیں جاتے وقت فلیٹ باٹم کی جوتیاں یا چپلیں پہنتی تھی۔ اس نے لباس سے میچ کرتی ہوئی جوتیوں کی ایک جوڑی نکال لی۔ ایڑی لائٹر والی سینڈلوں کی جوڑی وہیں چھوڑ دی۔

وہ کامل کے ساتھ شیخ جواد کے ہاں پہنچی۔ عزیزو اقارب اور محلے والوں کے علاوہ پولیس والے بھی تھے۔ تفتیش کرنے والے افسروں نے چاروں پارٹنروں سے باری باری سوال کیا۔

سب کا جواب تقریباً یکساں تھا۔ "شیخ کا دشمن ہمارا دشمن ہے' ہمارے کاروبار کا دشمن ہے۔ شیخ جواد نہایت ہی شریف انسان تھا۔ وہ اپنے اخلاق سے دشمنوں کو بھی دوست بنا لیتا تھا۔ پتا نہیں وہ کیسا سفاک قاتل تھا۔ اسے کتنی بے دردی سے جلایا تھا۔ بیٹی اپنے باپ کو جلتے ہوئے نہ دیکھ سکی۔ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی۔"

ثمینہ کو مینٹل اسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔ پولیس والوں کو توقع تھی کہ اس کی ذہنی حالت درست ہو گی تو وہ ضرور قاتل کی نشان دہی کرے گی۔ کیونکہ وہ واردات کے وقت گھر میں موجود تھی۔ اس نے باپ کو جلتے ہوئے دیکھا تو جلانے والے کو بھی دیکھا ہو گا۔

پولیس افسر نے پوچھا۔ "آپ لوگوں کا کاروبار کیا ہے؟"

سلامت علی نے کہا۔ "میں ایکسپورٹر امپورٹر ہوں۔ اپنے ملک کے تیار کردہ بہترین چرمی جوتے اور چپلیں بیرونی ممالک بھیجتا ہوں۔"

ناشاد نظامی نے کہا۔ "میں اندرونِ ملک یہاں کے تیار کردہ جوتوں کا سول ایجنٹ ہوں۔"

کامل نے کہا۔ "میری امی' خدمت شوز کمپنی کی مالک ہیں۔ سلامت علی' ناشاد نظامی اور دھنی رام ہمارے ہی تیار کردہ جوتوں کے ایجنٹ ہیں۔ شیخ جواد ہمارے کاروبار کا زبردست پلان میکر اور قانونی مشیر تھا۔"

افسر نے کہا۔ "آپ لوگوں کا کاروبار ایک ہے۔ ایک آئٹم تیار ہوتا ہے۔ اسی سے آپ لوگ اپنی اپنی جگہ منافع حاصل کرتے ہیں۔ کیا ایک دوسرے سے نقصان بھی اٹھاتے ہیں؟"

"ہم ایک دوسرے سے نہیں' بازار کے اتار چڑھاؤ سے نقصان اٹھاتے ہیں۔ آپ یہ سوچ کر وقت ضائع کریں گے کہ شیخ جواد سے ہمیں نقصان پہنچ رہا تھا۔"

افسر نے کہا۔ "میں جلدی جلدی بول رہا ہوں۔ بولتے بولتے جلدی سے سوال کروں گا۔ آپ بھی ایک لمحہ ضائع کئے بغیر جلدی سے جواب دیں۔ سوال ہے قتل کرنے والے پتھر سے سر کچلتے ہیں' ہتھوڑے سے مارتے ہیں۔ چھرا گھونپتے ہیں یا گولی مارتے ہیں۔ قاتل نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ شیخ جواد کو کیوں جلایا؟"

ایک نے فوراً جواب دیا۔ "حسد اور دشمنی سے جلنے والے کو جلانے سے تسکین ملی ہو گی۔"

دوسرے نے کہا۔ "پٹرول بہت مہنگا ہے۔ قاتل کو سستا مل گیا ہو گا۔"

تیسرے نے کہا۔ "پہلے بے ہوش کرنے پھر رسیوں سے باندھنے' اس کے بعد جلانے میں کافی وقت لگا ہو گا۔ اتنے اطمینان سے وہی قتل کر سکتا ہے جو پہلے ہی پولیس والوں سے معاملات طے کر چکا ہو۔"

افسر نے غصے سے کہا۔ "یہ بکواس ہے۔ پولیس والوں کا اس واردات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسٹر دھنی رام! تم نے جواب نہیں دیا۔"

اس نے جواب دیا۔ "میں ہندو ہوں۔ مجھے جلانا چاہئے تھا۔ ہو سکتا ہے' اس نے شیخ جواد کو دھنی رام سمجھ لیا ہو۔"

افسر نے ناگواری سے کہا۔ "آپ سب نے بے تکے جوابات دیئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے میرے سامنے آنے سے پہلے آپس میں خوب ریہرسل کرچکے ہیں۔"

"آپ نے بھی ہم سے ملنے سے پہلے بے تکے سوالات سوچ رکھے تھے۔ کمال ہے آپ ہم سے پوچھ رہے ہیں کہ قاتل نے شیخ کو زندہ کیوں جلایا؟ آپ اس سے پوچھیں جس سے پوچھنا چاہئے لیکن اس سے پوچھنے کی حسرت رہ جائے گی۔ پولیس دوسروں کو پکڑتی اور پوچھتی رہے گی جس سے جواب طلب کرنا چاہئے اسے آپ کبھی گرفتار نہیں کرسکیں گے۔ ہمارا وقت بہت قیمتی ہے۔ آپ کے سوالات ختم ہوچکے ہوں تو ہمیں جانے کی اجازت دیں۔"

"آپ ضرور جائیں لیکن یہ یاد رکھیں' ثمینہ کے اطراف پولیس کا سخت پہرا ہے۔ آپ چاروں پارٹنرز کو اور آپ کے عزیز و اقارب کو ثمینہ سے ملنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ جب اس کا دماغی صدمہ کم ہوگا' وہ ہوش و حواس میں قاتل کی نشاندہی کردے گی تو اس کے بعد اس سے ملنے کی اجازت دی جائے گی۔"

وہ چاروں وہاں سے سلامت علی کے بنگلے میں آئے۔ وہاں بیٹھ کر صورتِ حال کو مختلف پہلوؤں سے سمجھنے اور آئندہ اپنے بچاؤ کی تدبیر کرنے کی ضرورت تھی۔ اگرچہ وہ سب ایک دوسرے پر شبہ کررہے تھے تاہم جب تک زندہ تھے' ایک دوسرے پر ظاہری بھروسہ کرنے پر مجبور تھے۔

وہ ڈرائنگ روم میں آکر مختلف صوفوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ سلامت علی اور دھنی رام ایک صوفے پر تھے دوسرے صوفے پر کامل اور ناشاد نظامی تھے۔ کامل نے کہا۔

"ہمیں صاف اور سیدھی باتیں کرنی چاہئیں۔ شیخ جواد ہمارے کاروبار سے الگ ہونا چاہتا تھا اور یہ بات ہم میں سے کسی کو پسند نہیں تھی' کیونکہ کاروبار سے الگ ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمارا راز لے کر یہاں سے جاتا۔"

سلامت علی نے پوچھا۔ "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم میں سے کسی نے اسے ختم کردیا تاکہ ہمارا راز' راز ہی رہے اور تم نے آج فون پر اشارتاً کہہ بھی دیا تھا کہ میں ہی قاتل ہوں۔"

کامل نے کہا۔ "اور آپ نے جواباً کہا تھا کہ دھنی رام جی بھی آپ پر شبہ کررہے ہیں پھر آپ مجھے ہی طعنہ کیوں دے رہے ہیں؟"

سلامت علی نے کہا۔ "جب تین پارٹنر متفقہ طور پر شبہ کررہے ہیں تو دیر کس بات

کی ہے' مجھے گرفتار کرادو۔"

دھنی رام نے کہا۔ "ایک دوسرے کو چونچ مارتے رہنے سے بات نہیں بنے گی۔ میں نے سلامت بھائی پر غلط شبہ کیا تھا۔ یہ تو ہمیں سمجھا رہے تھے کہ نیک نیتی اور سچائی سے متحد رہنا چاہئے ورنہ شرازہ بکھر جائے گا۔"

ناشاد نظامی نے کہا۔ "شیرازہ بکھر رہا ہے۔ ہم نے زیادہ سے زیادہ دولت کمانے اور بیوی بچوں کا مستقبل شاندار بنانے کے لئے ایک غلط دھندا شروع کیا تھا۔ آج ہمارے پاس بے انتہا دولت ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خوف بھی ہے کہ ہم پکڑے گئے تو بچے برباد ہوجائیں گے۔ ہماری تمہاری لڑکیاں بیاہ کر اعلیٰ خاندانوں میں جائیں گی یا لڑکے اونچے گھرانے کی بہوئیں لائیں گے اور جب ہمارا راز فاش ہوگا تو بیٹیاں سسرال سے دھکے کھا کر نکلیں گی۔ بہوؤں کا خاندان ہم پر تھوکے گا۔ بیٹے ہم سے نفرت کریں گے۔ یہ نہیں سوچیں گے کہ یہ دھندا ہم نے انہیں ہی دولت مند بنانے کے لئے کیا تھا۔"

دھنی رام نے پوچھا۔ "یعنی تم یہ دھندا چھوڑنا چاہتے ہو؟"

ناشاد نے جواب دیا۔ "یہ بات صرف میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ سلامت علی صاحب بھی میری طرح فکر مند ہیں۔ کامل بھی یہی کہتا ہے۔"

"تم سب ایسے وقت کہہ رہے ہو جب ہمارا منافع سوگنا بڑھ گیا ہے۔ پانچ برس پہلے ہم چرس سپلائی کرتے تھے۔ اس کی جگہ ہیروئن نے لی تو ہم دیکھتے ہی دیکھتے کروڑ پتی بن گئے ہیں۔ یہ دھندا اور دو چار برس چلتا رہا تو ارب پتی ہوجائیں گے۔ کامل کی امی بائم میں مال بھر کر دیتی ہیں۔ ناشاد! تم وہ مال اندرون ملک ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے ہو۔ تم دونوں کے لئے یہ گھر کی بات ہے۔ خطرات سے تو میں کھیلتا ہوں۔ سلامت علی کھیلتے ہیں۔ ایکسپورٹ لائسنس پر مال یہاں سے نکال کر چار ملکوں میں پہنچانا بچوں کا کھیل نہیں ہے جب تک مال صحیح جگہ پہنچ نہیں جاتا' ہماری سانس اٹکی رہتی ہے۔ پھر بھی ہم نہیں ڈرتے۔ کیوں سلامت بھائی! تم ڈرتے ہو؟"

سلامت علی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جب اوکھلی میں سر دیا ہے تو موسل سے کیا ڈریں گے۔ یہ درست ہے کہ میرا بیٹا جوان ہورہا ہے۔ میں اسے اپنی لائن پر لگالوں گا۔ مجھے یہ فکر نہیں ہے کہ اچھے خاندان کی بہو نہیں ملے گی۔ بھئی کیسے نہیں ملے گی۔ میرے پاس دولت ہے اور میرا خاندان اعلیٰ ہے۔ چھوٹے خاندان والوں کو ڈرنا چاہئے۔"

ناشاد نظامی نے کہا۔ "ہاں' میری برادری کم تر ہے۔ اتنی دولت حاصل کرنے کے

بعد بھی تمہاری نظروں میں حجام ہوں۔"

کامل نے کہا۔ "ناشاد! ہمارے باپ دادا حجام اور موچی نہ ہوتے تو ہم کہاں سے پیدا ہوتے۔ ہمیں اپنی پیدائش اور اپنی بنیاد پر افسوس نہیں کرنا چاہئے۔ اگر سلامت علی صاحب کو اپنے اعلیٰ خاندان پر ناز ہے تو ان کا اعلیٰ خاندان مجھ جیسے موچی کی بدولت پھل پھول رہا ہے۔ میرا تیار کیا ہوا ایک ایک جوتا ان کے گھر آکر چاندی کا جوتا بن جاتا ہے۔"

سلامت نے کہا۔ "زبان سنبھال کر بات کرو مجھے چاندی کا جوتا مار رہے ہو۔ ارے یہاں جوتے بنانے والی اور بھی بہت کمپنیاں ہیں جس موچی کے چاندی کا جوتا ماروں گا' وہی میرا مطلوبہ مال تیار کرے گا۔"

کامل نے مسکرا کر کہا۔ "دھنی رام جی' سن لو۔ یہ سلامت صاحب ہمارے دھندے کا راز لے کر دوسری شوز کمپنی میں جائیں گے۔ شیخ جواد کے متعلق بھی یہی شبہ تھا کہ وہ ہمیں چھوڑنے کے بعد کسی دوسری کمپنی تک ہمارا راز لے جائے گا۔"

سلامت علی گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں نے کب کہا ہے' دوسری کمپنی سے جوتے تیار کراؤں گا۔ تم نے غصہ دلایا تو میں نے طیش میں آکر ایک بات کہہ دی۔ تم نہ سہی اور سہی' اور نہیں اور سہی۔"

دھنی رام نے کہا۔ "غصے اور دماغی کمزوری سے راز باہر چلا جاتا ہے۔ سلامت بھائی! قصور تمہارا ہے تم نے اپنے خاندان کو برتر اور دوسروں کو کم تر کہا۔ نفرتیں اسی طرح پیدا ہوتی ہیں۔ اپنی برتری اپنے پاس رکھو' صرف کاروباری باتیں کرو اور جو بات کرو نیک نیتی اور سچائی سے کرو۔"

کامل نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "میں دماغ کا کچا ہوں۔ کبھی بیوی کی بات مانتا ہوں کبھی ماں کی سچائی کا یقین آتا ہے۔ دھنی رام جی تم لوگ نیک نیتی اور سچائی کی بات کرتے ہو لیکن امی کہتی ہیں' غلط دھندا کبھی نیک نیتی سے نہیں ہو سکتا۔ نیک نیتی ہوگی تو پھر وہ دھندا غلط نہیں رہے گا۔"

دھنی رام نے کہا۔ "ارے بیٹھو کامل! کہاں جا رہے ہو؟"

"جب تک کاروبار چل رہا ہے' میں بھلا کہاں جا سکتا ہوں۔ تم مجھے نہیں' انہیں روکو جو کاروبار سے جانا چاہتے ہیں۔ بات سمجھنے کی ہے' میرا ابھی دنیا سے جانے کا ارادہ نہیں ہے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔

ناشاد نظامی نے کہا۔ "مجھے بھی چلنا چاہئے۔"

سلامت علی نے ناشاد کو روکتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم اس کا سایہ ہو جو اس کے پیچھے جا رہے ہو؟"

ناشاد نے کہا۔ "کوئی ضروری نہیں کہ سایہ پیچھے جائے۔ آپ کبھی روشنی کے آگے چل کر دیکھیں' سایہ آپ کے سامنے چلے گا۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے سے باہر گیا اور نظروں سے ایک دم ہی اوجھل ہو گیا۔ سلامت علی تھوڑی دیر تک دروازے کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "یہ چھوٹے لوگوں کی پہچان ہے کہ وہ بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں۔"

دھنی رام نے کہا۔ "تم چھوٹے بڑے کی باتیں کرتے ہو اسی لئے کاروبار ختم ہوتا نظر آ رہا ہے۔"

"نہیں دھنی رام جی! پہلے کاروبار ختم نہیں ہوگا۔ پہلے ہم ایک ایک کر کے ختم ہوں گے۔ پتا نہیں وہ آخری پارٹنر کون ہوگا جو ہمارے بعد بے خوف و خطر زندگی گزارے گا۔"

"وہ وہی ہوگا جو موت کے ان دیکھے سائے سے دور رہے گا۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سلامت علی نے کہا۔ "آؤ دھنی رام' میرے بیڈ روم میں چلو۔ وہاں باتیں ہوں گی۔"

وہ دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ "مجھے معاف کرو' میں تمہارے بیڈ روم میں نہیں جاؤں گا۔"

سلامت نے غصے سے پوچھا۔ "کیا میں قاتل ہوں کہ مجھ سے دور بھاگ رہے ہو؟"

وہ دروازے سے پلٹ کر بولا۔ "ہم میں سے کسی دو کو تنہا نہیں رہنا چاہئے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کامل اور ناشاد بھی یہاں سے الگ الگ گئے ہیں۔"

یہ کہتے ہی وہ ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔ سلامت علی نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ پھر کھلے ہوئے منہ سے خالی دروازے کو تکتا رہا کیونکہ تینوں پارٹنر اپنے اپنے طور پر جو کہہ گئے تھے' وہ غلط نہیں تھا۔ کسی کو کسی سے بھی نقصان پہنچ سکتا تھا اور کیا پتا وہ ایک ایک کر کے جانے والے ابھی نہ گئے ہوں' چھپ کر اس کی تاک میں ہوں۔ اس نے گھبرا کر ملازم کو آواز دی۔ وہ دوڑتا ہوا آیا۔ "جی جناب!"

"کیا وہ تینوں چلے گئے؟"

"کون تینوں جناب؟"

"گدھے' ابھی جو یہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ کامل' ناشاد اور دھنی رام۔"

"جی جناب' وہ چلے گئے۔"

"کوٹھی سے باہر چلے گئے۔"

"جی جناب!"

"تم نے دروازہ بند کر دیا؟"

"جی نہیں جناب۔"

"کیا دروازہ بند کرنے کی درخواست کروں' پھر بند کرو گے؟ جاؤ بند کرو۔"

وہ جیسے دوڑتا ہوا آیا تھا' ویسے ہی دوڑتا ہوا چلا گیا۔ سلامت علی تھوڑی دیر کھڑا سوچتا رہا۔ پھر ٹیلیفون کے پاس آکر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ رابطہ قائم ہونے کے بعد دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ سلامت علی نے کہا۔ "میں سلامت علی ایکسپورٹر امپورٹر بول رہا ہوں۔ مقتول شیخ جواد کے پارٹنر میں سے ایک ہوں۔ دو گھنٹے پہلے آپ ہم سے سوالات کر رہے تھے۔"

"مجھے یاد آگیا۔ کیا آپ کو بھی میرے کسی سوال کا جواب یاد آگیا ہے؟"

"جی ہاں' ایک ہفتہ پہلے مجھے کسی گمنام شخص کی طرف سے ایک خط ملا تھا۔ وہ میرے پاس ہے۔"

"وہ کس قسم کا خط ہے؟"

"وہ ٹائپ کیا ہوا ہے۔"

"میں خط کا مضمون پوچھ رہا ہوں۔"

"کسی نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں سلطانہ بیگم کی "خدمت شوز کمپنی" سے جوتے نہ خریدوں۔ یہ کاروبار ختم کروں اور کوئی دوسرا آئٹم ملک سے باہر بھیجا کروں۔"

"میں ابھی آکر وہ خط آپ سے لوں گا۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ وہ ریسیور رکھ کر ڈرائنگ روم سے چلتا ہوا بیڈ روم میں آیا۔ اس نے وہ خط احتیاطاً اپنی الماری میں رکھ چھوڑا تھا۔ وہ بیڈ روم کی الماری کے پاس جاتے جاتے رک گیا۔ پلنگ کے سرہانے والی میز پر ایک لفافہ نظر آرہا تھا۔ اس نے قریب جاکر اٹھایا۔ اس پر اس کا نام ٹائپ کیا ہوا تھا۔ اس نے ملازم کو بلا کر پوچھا۔ "یہ لفافہ کہاں سے آیا ہے؟"

"جناب! صبح آپ کے جانے کے بعد ایک خاتون آئی تھیں' آپ کو پوچھ رہی

تھیں۔ پھر انہوں نے یہ لفافہ آپ کے لئے دیا۔ آپ بہت مصروف تھے۔ اس لئے میں لفافے کے بارے میں کچھ بتا نہ سکا۔"

"وہ خاتون کون تھیں؟"

"میں نے صورت نہیں دیکھی۔"

"کیا برقع پہنے ہوئے تھیں؟"

"نہیں جناب' ایک کار میں آئی تھیں' کار کے شیشے کلرڈ تھے' خط والی محترمہ نظر نہیں آرہی تھیں۔ انہوں نے شیشہ تھوڑا سا نیچے کر کے اوپر سے یہ لفافہ دیا تھا۔"

"تم نے نام پتا کچھ تو پوچھا ہوگا؟"

"جی جناب۔ انہوں نے کہا' لفافے کے اندر نام پتا لکھا ہوا ہے۔"

"اچھا۔ جاؤ۔"

وہ چلا گیا۔ اس نے لفافے میں سے تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا۔ اسے کھول کر دیکھا' وہ بھی ٹائپ کیا ہوا تھا کسی نے لکھا تھا۔

"مسٹر! یقین کرو' اپنا کاروبار ختم کرو گے تو کوئی کسی کا راز ظاہر نہیں کرے گا۔ تم سب کی سلامتی اسی میں ہے جتنی خاموشی سے غلط کام شروع کیا تھا اسے اتنی ہی خاموشی سے ختم کردو۔ تمہیں پہلے بھی ایک خط کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ سمجھ لو جتنی جلدی ہوسکے سمجھ لو۔ ورنہ آج ایک کو قبرستان پہنچانے چار پارٹنر گئے تھے۔ جلد ہی دوسرے کو پہنچانے تین جائیں گے۔"

اس نے خط کو دوسری تیسری بار پڑھا۔ ایسے دونوں خطوط میں کسی کا نام اور پتا نہیں تھا جو بھی مشورہ دے رہا تھا' نیکی سے دے رہا تھا۔ نیکی کرنے والا ڈنکے کی چوٹ پر اپنا نام بتا سکتا تھا۔ سامنے آکر بھی اچھے برے کی تمیز سکھا سکتا تھا لیکن دوسرے خط کے آخری الفاظ بتا رہے تھے کہ وہ نیک نہیں' خطرناک ہے۔ کسی دوسرے پارٹنر کی موت کی پیشین گوئی کر رہا ہے اور وہ پارٹنر وہی ہے جسے یہ خط بھیجا گیا ہے۔

وہ تیزی سے چلتا ہوا ٹیلیفون کے پاس آیا۔ پہلے کامل کے نمبر ڈائل کئے' پھر ناشاد نظامی سے رابطہ قائم کیا۔ اس کے بعد دھنی رام کو فون کیا۔ مگر تینوں میں سے کوئی ابھی گھر نہیں پہنچا تھا۔ اس نے ملازم کو بلا کر پوچھا۔ "اس عورت نے کلرڈ شیشے کے اندر سے خط دینے کے لئے اپنا ہاتھ نکالا ہوگا؟"

"جناب ہاتھ نہیں صرف دو انگلیاں نظر آئی تھیں۔"

"انگلیاں گوری تھیں، کالی تھیں یا سانولی؟ انگلیوں سے عمر کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔"

"جناب، اس نے دستانے پہنے ہوئے تھے۔"

سلامت علی جھنجھلا گیا پھر بولا۔ "تم نے کار کا رنگ دیکھا ہو گا؟"

"جی جناب، وہ سفید رنگ کی تھی۔"

"جب کوئی نام اور پتا نہ بتائے تو عقل سے کام لے کر اس کی گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا کرو۔"

"بہتر جناب، آئندہ یہی کروں گا۔"

"یہاں پولیس انسپکٹر آئے تو اس سے خط کا اور اس خاتون کا ذکر نہ کرنا۔ اب جاؤ۔"

وہ چلا گیا۔ سلامت علی یہ دوسرا خط انسپکٹر کو دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ اس خط میں غلط دھندے کا ذکر تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر پھر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر کامل کی آواز سنائی دی۔ سلامت علی نے پوچھا۔ "کیا تمہیں کسی پُراسرار عورت نے کبھی کوئی خط دیا ہے؟"

"ذرا ہولڈ رکھو۔ میں ابھی پوچھتا ہوں۔"

دوسری طرف کامل نے اپنا ریسیور میز پر رکھا، بیوی کو آواز دی۔ "شہناز!" پھر یاد آیا، وہ شاپنگ کے لئے گئی ہے اس نے بیڈ روم سے نکل کر ایک ملازم سے پوچھا۔ "آج کوئی مجھ سے ملنے آیا تھا یا کوئی خط دے گیا ہے؟"

ملازم نے کہا۔ "نہیں صاحب! ویسے میں باہر چوکیدار اور مالی سے پوچھ کر آتا ہوں۔"

ملازم پوچھنے گیا۔ کامل ڈرائنگ روم میں آیا۔ اس کی امی سلطانہ بیگم بالکونی کے پاس ایک جھولے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ پچھلے دَور کی جاگیردارنی کا انداز تھا۔ جب وہ خدمت شوز کمپنی کے جنرل منیجر اور سپروائزر سے مال کا حساب لیتی تھیں تو اسی جھولے میں بیٹھ کر جوتوں، سینڈلوں اور چپلوں کا حساب پوچھتی تھی کہ روز کی پروڈکشن میں کتنا اضافہ ہوا ہے؟ کتنے نئے ڈیزائن کی سینڈلیں، جوتے اور چپلیں عید کے بازار میں جائیں گی۔ سلطانہ بیگم کے مزاج میں سختی تھی، آواز اور لہجے میں حاکمانہ انداز ہوتا تھا۔ حساب میں گڑبڑ ہو تو وہ ملازموں پر گرجتی بھی تھیں اور برستی بھی تھیں۔ اپنے نام کے مطابق سلطانہ بیگم لگتی تھیں۔

شوہر کی زندگی میں بھی یہی تیور تھے۔ میاں کی ایک بات اوپر نہیں ہونے دیتی تھیں۔ انہوں نے کسی کے سامنے جھکنا نہیں سیکھا تھا لیکن اکلوتے بیٹے نے اپنی پسند کی شادی کر کے ان کے غرور کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ ان کا اپنا خیال تھا کہ وہ مغرور نہیں ہیں۔ بہو کو پسند نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ساس نک چڑھی ہے۔ کبھی ساس کی نظر سے بھی دیکھنا چاہئے کہ بہو کتنی بے لگام، لالچی اور خود غرض ہے۔

کامل نے ان کے پاس آ کر جھولے میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں، کیا شہناز نے کچھ کہا ہے؟"

"بیٹے! جب تک یہ شوز کمپنی میرے نام پر ہے، بہو لڑنے کی حماقت نہیں کرے گی۔ تمہیں ہی اُلو بناتی رہے گی۔ میرا کیا ہے، خود بھگتو گے۔ تم مجھے پریشان نہیں دیکھ سکتے۔ یہ دیکھو، میری پریشانی کی وجہ یہ خط ہے۔"

وہ چونک کر بولا۔ "کیسا خط؟"

"ایک گھنٹہ پہلے باہر سے آئی تو یہ چوکیدار نے مجھے دیا تھا۔ کہہ رہا تھا کوئی عورت کار میں آئی تھی۔ اپنا نام پتا نہیں بتایا، یہ خط دے کر چلی گئی۔"

"چوکیدار نے اس عورت کو دیکھا ہو گا؟"

"وہ کلرڈ شیشے کے پیچھے تھی۔ شیشے کو ذرا نیچے کر کے یہ خط دیا پھر چلی گئی۔ میں نے اسے کھول کر پڑھا ہے۔ ذرا تم بھی پڑھ لو۔ میں ہزار بار سمجھا چکی ہوں۔ غلط کام بہت ہو چکا، اسے بند کر دو۔ ہماری شوز کمپنی کا بہت نام ہے۔ ہمارے مال کی کوالٹی بھی بہتر ہوتی ہے۔ غلط کام کے بغیر بھی کاروبار میں منافع رہے گا۔"

وہ ماں کی باتوں کے دوران خط پڑھ رہا تھا۔ پھر جھولے سے اٹھ کر بیڈ روم کی طرف جانے لگا۔ سلطانہ بیگم نے کہا۔ "یہی ماں کی قدر ہوتی ہے؟ میں جب بھی اچھی باتیں سمجھاتی ہوں، اٹھ کر چلے جاتے ہو۔"

"امی! ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے سلامت علی صاحب کو ریسیور ہولڈ رکھنے کے لئے کہا تھا۔ ان سے بات کرنے جا رہا ہوں۔"

"مجھے یہ تو بتا دو، وہ عورت کون ہے؟ اس کم بخت نے خط لکھا ہے یا بندوق کی گولی داغ دی ہے، نیک مشورہ دیا ہے اور قتل کی دھمکی بھی دی ہے۔ یہ تم کیسی عورتوں سے دوستی کر رہے ہو؟"

وہ کوریڈور سے گزرتے ہوئے بولا۔ "امی، آپ دوستی کی بات کر رہی ہیں جبکہ میں

نے اس عورت کو دیکھا تک نہیں ہے۔"

"ماں سے جھوٹ نہ بولو۔ اس نے لکھا ہے کہ وہ ایک ہفتہ پہلے بھی تمہیں خط لکھ چکی ہے۔"

وہ اپنے بیڈ روم میں پہنچ گیا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر پوچھا۔ "ہیلو' کیا آپ موجود ہیں؟"

"ہاں بولو۔"

"ابھی امی نے بتایا ہے' ہماری غیر موجودگی میں ایک عورت کلرڈ شیشے والی کار میں آئی تھی۔ ہمارے چوکیدار کو ایک خط دے گئی ہے۔ یہ خط ابھی میرے ہاتھ میں ہے۔"

"ذرا وہ خط پڑھ کر سناؤ۔"

اس نے پڑھ کر سنایا۔ سلامت علی نے کہا۔ "اس نے حرف بہ حرف وہی لکھا ہے جو میرے خط میں ہے۔"

"آخر یہ خط کون لکھ رہا ہے؟"

"ہمیں تو یہ بھی پتا نہیں کہ لکھ رہا ہے یا لکھ رہی ہے؟"

"کسی عورت کو ہمارے کاروبار سے کیا دلچسپی ہوگی؟ اس نے صرف قاصد کا فرض ادا کیا۔ یہ کسی شخص نے لکھا ہے اور ہم میں سے کسی نے لکھا ہے؟"

"کیا آپ نے دھنی رام سے اور ناشاد نظامی سے پوچھ لیا ہے؟"

"میں دھنی رام کو فون کر رہا ہوں۔ تم ناشاد سے پوچھو' پھر مجھ سے رابطہ کرو۔ یہ خط ہمارے اس شبہے کو تقویت پہنچا رہا ہے کہ ہم یکے بعد دیگرے مرنے والے ہیں اور قاتل ہم میں سے کوئی ایک ہے۔"

انہوں نے باقی دو پارٹنرز سے خط کے متعلق دریافت کیا۔ پتا چلا' انہیں بھی ایسے خطوط موصول ہوئے ہیں۔ بات یہ سمجھ میں آئی کہ جب وہ چاروں شیخ جواد کی آخری رسومات ادا کرنے گئے تھے۔ تب ان کی غیر موجودگی میں ایک عورت کلرڈ شیشے والی کار میں بیٹھ کر باری باری ان کی کوٹھیوں کے قریب آئی تھی اور ان کے ملازموں کو ایک ایک خط دے کر چلی گئی تھی۔

وہ سوچ سوچ کر اسی نتیجے پر پہنچ رہے تھے کہ قاتل کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔ عورت پہلے دھمکی آمیز خط پہنچاتی ہے پھر قاتل اس دھمکی پر عمل کرتا ہے۔ سلطانہ بیگم نے بیٹے سے پوچھا۔ "ایسے کتنے پارٹنرز ہیں جن کی دوستی کسی عورت سے ہے؟"

"امی! سب ہی شادی شدہ اور بچوں والے ہیں صرف میرے ہاں بچے نہیں ہیں۔"

"اور وہ تمہاری چہیتی کبھی بچے پیدا نہیں کرے گی۔ اسے اپنے حُسن کی پڑی رہتی ہے۔ ہمیشہ جوان چھوکری بن کر رہنا چاہتی ہے۔"

"آپ خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ ابھی تو ہماری شادی کو تیسرا برس ہے۔"

"ان ڈھائی برسوں میں بہو کے جو لچھن دیکھ رہی ہوں' وہ تم نہیں دیکھ رہے ہو اور نہ ہی دیکھ سکو گے۔ میں کہوں گی تو تمہیں یقین نہیں آئے گا کیونکہ جوان اور حسین بیوی کے سامنے بوڑھی ماں نہ دکھائی دیتی ہے نہ سنائی دیتی ہے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

"وہ تمہارے اعتماد کو ٹھیس پہنچا رہی ہے۔ وہ زبیر نامی ایک نوجوان سے اکثر ملنے جاتی ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "آپ دن رات اس کی ٹوہ میں رہتی ہیں۔ میں جانتا ہوں' زبیر تین برس پہلے شہناز کا کلاس فیلو تھا۔ اگر کسی لائبریری میں دونوں کی ملاقات ہوجاتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شہناز باقاعدہ پروگرام بنا کر ملاقات کرتی ہے۔"

"اگر تم اسے باقاعدہ ملاقات کرتے دیکھ لو۔ ایک بار نہیں' بار بار دیکھ لو تو کیا کرو گے؟"

"میں اسے گولی مار دوں گا۔"

"اس کی ایک ایک ادا پر قربان ہوتے رہتے ہو۔ جان کیسے لو گے؟"

"ایک غیرت مند اس وقت تک اپنی عورت پر جان دیتا ہے جب تک وہ اپنی ہو۔ اگر وہ دوسرے پر جان دے اور اعتماد کو ٹھیس پہنچائے تو پھر وہ برداشت نہیں کرتا۔"

"مجھے تو اندیشہ ہے' تم قاتل بن جاؤ گے۔ کیا عقل سے کام نہیں لو گے؟ عورت ناقابلِ برداشت ہو تو اسے طلاق دے کر پیچھا چھڑانے کی دانشمندی نہیں دکھاؤ گے؟ جوش میں آکر کسی کو قتل کرنا اور قانون کے ہاتھوں سزائے موت پانا سراسر حماقت ہے۔"

"آپ ایسی باتیں نہ کریں جس سے مجھ میں جوش اور جنون پیدا ہو۔"

ماں نے بیٹے کو ممتا بھری بے بسی سے دیکھا پھر کہا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی۔ آئندہ ایسی باتیں نہیں کروں گی۔"

بیٹے نے ماں کی گردن میں بانہیں ڈال کر کہا۔ "آپ ساس کا رشتہ بھول جائیں۔ شہناز کو ماں کا پیار دیں۔ پھر اسے میری نظروں سے دیکھیں۔ وہ ہیرا دکھائی دے گی۔"

"ہاں بیٹے! میں اسے تمہاری ہی آنکھ سے دیکھا کروں گی۔ ابھی تمہارے ہنسنے بولنے، کھانے کھیلنے کے دن ہیں۔ جاؤ عیش کرو۔"

"آپ ایک بات مانیں گی؟"

"تم تو ہر بات منوا لیتے ہو، بولو۔"

"آپ شہناز کو بھی کاروبار میں دلچسپی لینے دیں۔ وہ بہت ذہین ہے۔ اس نے لائٹر سینڈل کا کتنا خوبصورت ڈیزائن بنایا تھا۔ وہ ایک اچھی آرٹسٹ ہے۔"

"میں نے اس کی صلاحیت سے انکار نہیں کیا۔ اس نے لائٹر سینڈل کا خاکہ مجھے دیا، میں نے بالکل ویسا ہی سینڈل بنوا کر دے دیا۔ کیا وہ خوش نہیں ہے؟"

"بہت خوش ہے۔ اگر ہم یہ لائٹر سینڈل بازار میں لے آئیں تو دھوم مچ جائے گی۔ تمام ایجنٹوں سے اتنا آرڈر ملے گا کہ ہم سپلائی نہیں دے سکیں گے۔ پھر شہناز کا بھی حوصلہ بڑھے گا۔ وہ مزید نت نئے ڈیزائن پیش کرے گی۔"

"اسے بازار میں لانے سے پہلے بہت کچھ سوچنا سمجھنا ہوگا۔ آخر یہ لائٹر سینڈل والی بات شہناز کے دماغ میں کیسے آئی؟ اگر وہ تمہارے ایک آدھ بچے کی ماں ہوتی تو لائٹر سینڈل کبھی نہ پہنتی۔"

"اس سینڈل میں کیا برائی ہے؟"

"ماں اپنے پاؤں کے نیچے جنت رکھتی ہے۔ آگ لے کر نہیں چلتی۔ آگ جہنم کی علامت ہے۔ پاؤں تلے جہنم رکھنے والی عورتیں ماں بننا پسند نہیں کرتیں۔"

"آپ پھر شہناز کو طعنے دے رہی ہیں۔"

"میں ایسی عورتوں کی نفسیات بیان کر رہی ہوں۔ تم سننا نہیں چاہتے تو ایسی بات کو کاروباری نقطہ نظر سے سمجھو۔ ہمارے معاشرے میں کتنی ایسی عورتیں سگریٹ پیتی ہیں؟ شاید دس بیس ہزار میں ایک عورت عادی ہوگی۔ لائٹر کی کتنی جوڑیاں فروخت ہو سکیں گی؟ کیا عورتیں یہ سینڈل پہن کر گھر کا چولہا جلایا کریں گی یا محفلوں میں اپنے شوہروں کی سگریٹ سلگایا کریں گی؟"

"امی! ملک سے باہر اس آئٹم کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔"

"بیٹے! میں تو شروع سے منشیات کے دھندے پر اعتراض کرتی آرہی ہوں۔ اس بات پر تمہارے باپ سے بھی لڑتی تھی۔ تم سے بھی جھگڑتی رہتی ہوں۔ میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ جوان بچے چرس اور ہیروئن بھری سگریٹ کے کش لگائیں۔ اور تم کہتے ہو،

سگریٹ سلگانے کے لئے لائٹر بھی فراہم کروں۔"

"تو پھر شہناز کو وہ لائٹر سینڈل بنوا کر نہیں دینا چاہئے تھا۔ جب وہ پہن کر نکلے گی تو دوسری شوز کمپنی والے فوراً وہی مال تیار کر کے بازار میں لے آئیں گے۔"

"لے آنے دو۔ میں تو کاروبار سمیٹ رہی ہوں۔ جب سے وہ دھمکی آمیز خط ملا ہے، میری نیند اڑ گئی ہے۔ بھوک مر گئی ہے۔ خدانخواستہ تمہیں کچھ ہوگیا تو یہ شوز کمپنی اور یہ دولت کس کے کام آئے گی؟ اپنے تینوں پارٹنرز سے کہہ دو کہ آئندہ جو مال ہم تیار کریں گے، اس کے باٹم میں ایک چٹکی ہیروئن نہیں ہوگی جسے اعتراض ہو، وہ پارٹنرشپ ختم کر دے۔"

"امی! یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ آپ جانتی ہیں کہ آپ چاروں نے ایک جگہ بیٹھ کر اپنی اپنی آواز میں اعتراف ریکارڈ کیا ہے کہ ہم منشیات کا دھندا کرتے ہیں۔ ہم قانون کی گرفت سے ایک دوسرے کو بچائے رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اس کیسٹ کی ایک ایک کاپی چاروں کے پاس رہے گی۔ اگر کوئی دھندے سے الگ ہونا چاہے اور یقین دلائے کہ الگ ہو کر راز فاش نہیں کرے گا اور اپنی کیسٹ ہمیں واپس کر دے گا۔ تب بھی ہم اس پر بھروسا نہیں کریں گے کیونکہ جو کیسٹ وہ واپس کرے گا وہ اس کی کئی کاپیاں تو پہلے ہی بنا چکا ہوگا۔ لہٰذا ہم دھندے سے الگ ہونے والے پر بھروسہ نہیں کریں گے، الگ ہونے والے کی سزا صرف موت ہوگی۔"

سلطانہ بیگم نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "ہم چاروں نے ایک دوسرے کو جکڑ لیا ہے۔ مجھے سلامت علی سب سے خطرناک لگتا ہے۔ اس نے باہر ملکوں میں دولت جمع کی ہے۔ اچانک ملک چھوڑ کر جائے گا اور وہ کیسٹ قانون کے محافظوں تک پہنچا دے گا۔ دوسرے نمبر پر دھنی رام ہے، وہ کسی وقت بھی سرحد پار کر کے ہندوستان چلا جائے گا۔ تم اور ناشاد بری طرح پھنسو گے۔ یہی سوچ کر میں ہاتھ نہیں روک رہی ہوں۔ ان کا مطلوبہ مال سپلائی کرتی جا رہی ہوں لیکن بیٹے! کسی طرح بھی ہمیں اس دلدل سے نکلنا ہوگا۔"

کامل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، دلدل سے کیسے نکلا جائے۔ وہ ماں کے ساتھ جھولے میں بیٹھا ہوا تھا۔ جھولا آہستہ آہستہ ہل رہا تھا اور دونوں ماں بیٹے کو کبھی آگے اور کبھی پیچھے لے جا رہا تھا۔ اور یہ طے شدہ بات ہے کہ آدمی آگے پیچھے ہوتا رہے تو مسئلہ کبھی حل نہیں ہوتا۔

☆======☆======☆

دروازہ کھلا ہوا تھا' کوئی بھی اندر آسکتا تھا۔ وہ اونچی ایڑی والے لائٹر سینڈل دروازے کے اندر آگئے پھر آنے والی نے اسے بند کر دیا۔ کوٹھی کے کسی حصے سے ایک مردانہ آواز آئی۔ "آؤ' آؤ۔ بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے۔"

وہ کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی اس کے سامنے آئی پھر بولی۔ "ہیلو زبیر۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "ہیلو شہناز! آج بھی دیر سے آنے کی وجہ یہی بیان کرو گی کہ ساس چڑیل ہے۔ وہ سوتی ہے مگر اس کی آنکھیں جاگتی ہیں۔ تم دن رات اس کی نگاہوں کو اپنے جسم میں چبھتی ہوئی محسوس کرتی ہو۔"

"جب تک وہ چڑیل زندہ ہے' میرے ساتھ یہی ہوتا رہے گا۔ میں بہت سہم سہم کر تمہارے پاس آتی ہوں۔"

"تم؟ اور سہم جاتی ہو؟ پھر دعویٰ کرتی ہو کہ میرے اور اپنے درمیان کی دیواریں گراؤ گی۔"

"میں جھوٹے دعوے نہیں کرتی۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو گا کہ میں کیا کر چکی ہوں اور کیا کرنے والی ہوں۔ میرا منصوبہ زبردست ہوتا ہے۔ شکار مجھ سے بچ کر نہیں جاتا۔ مگر وہ سلطانہ بیگم دو بار بچ گئی۔ اب وہ محتاط ہو گئی ہے۔ رات کو سوتے وقت دودھ نہیں پیتی۔ باورچی کے ہاتھ کا پکایا ہوا نہیں کھاتی۔ کوٹھی میں یا کہیں ویرانے میں تنہا نظر نہیں آتی۔ مگر کب تک بچے گی۔ جلد ہی اسے ٹھکانے لگا دوں گی۔"

"تم اس لئے ڈرتی ہو کہ وہ بڑھیا ہمیں تنہائی میں رنگے ہاتھوں نہ پکڑ لے۔ بے شک ڈرنا چاہئے کیونکہ جسے پکڑنا چاہئے وہ نہ پکڑے تو کوئی دوسرا پکڑ لیتا ہے۔ وہ جو تمہاری شوز کمپنی کا ایک پارٹنر ہے سلامت علی' اس نے آج مجھ سے فون پر بات کی۔ اس کی باتوں سے ثابت ہو گیا کہ وہ ہمارے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ اور ہم سے بہت کچھ منوا سکتا ہے۔"

"وہ ہمارے بارے میں کیا جانتا ہے؟ کیسے جانتا ہے؟ اور ہم سے کیا منوا سکتا ہے؟"

"پتا نہیں اس کے کیا ارادے ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا' تم جب بھی میرے پاس آؤ تو میں تمہیں اس کے پاس بھیج دوں' تم انکار کرو گی تو نقصان اٹھاؤ گی۔"

"اس دھمکی کا مطلب ہے کہ وہ بلیک میل کرنے والا ہے۔"

"کیا تم جاؤ گی؟"

"جانا ہو گا۔ اس نے اپنی موت کو بلایا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "تم خطرات سے نہ کھیلو۔ اگر تمہیں کچھ ہو جائے گا تو میں فٹ پاتھ پر پہنچ جاؤں گا۔ ایم اے کرنے کے بعد میں ملازمت کے لئے مارا مارا پھرتا تھا' تب تم نے مجھے اپنی محبت اور دولت کا سہارا دیا۔ یہ اتنی بڑی کوٹھی' قیمتی کار اور بینک بیلنس سب تمہارا دیا ہوا ہے۔ کوٹھی اور کار تمہارے نام ہے۔ خدانخواستہ تم نہ رہیں تو یہ سب کچھ مجھ سے چھن جائے گا۔"

"مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ آؤ ذرا سلامت علی کا ارادہ پوچھ لیں۔"

"کیا مجھے بھی ساتھ لے جاؤ گی؟"

"تم مرد ہو کر ڈر رہے ہو؟"

"میں تمہارے ساتھ جان دے سکتا ہوں مگر اپنا ارادہ تو بتا دو۔"

"جان دینے والے ارادہ نہیں پوچھتے۔ کوئی سوال نہیں کرتے۔"

وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر بولا۔ "بڑی ضدی ہو' چلو۔"

وہ ایک جسم دو جان ہو کر کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے باہر آئے۔ زبیر نے دروازے کو لاک کیا۔ پھر وہ کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ رات کا ایک بجا تھا۔ سڑکوں پر برائے نام ٹریفک تھی۔ وہ ڈرائیو کرتے ہوئے بولا۔ "تم نے یہ تو بتا دیا کہ کامل شہر سے باہر گیا ہے مگر وہ سلطانہ بیگم تو گھر پر ہوں گی؟"

"جب سے شیخ جواد جہنم میں گیا ہے۔ تب سے ماں اپنے بیٹے کے ساتھ سائے کی طرح رہتی ہے۔ وہ بھی کامل کے ساتھ گئی ہے۔"

"یعنی آج صبح تک یہ رات ہماری ہے۔"

"بالکل ہماری ہے۔"

"مگر یہ سلامت علی کباب میں ہڈی بن گیا ہے۔ پتا نہیں اس کے ساتھ کتنا وقت ضائع ہو گا۔"

"کار اس کی کوٹھی سے دور رکھنا۔ تم میرے ساتھ کوٹھی کے اندر جاؤ گے تو بات بڑھتی جائے گی۔ خواہ مخواہ آج کی رات ضائع ہو گی۔ میں تنہا اس کے پاس جاؤں گی اور منٹوں میں فیصلہ کر کے آؤں گی۔"

"اور میں کہاں رہوں گا؟"

"تم اسی گاڑی میں میرا انتظار کرو گے۔"

"یہ مردانگی نہیں ہے کہ میں آرام سے بیٹھا رہوں اور تم اس شیطان سے نمٹنے جاؤ۔"

"مجھ سے بحث نہ کرو' جو کہتی ہوں کرتے جاؤ۔"

اس نے پھر بحث نہیں کی۔ کوٹھی سے ذرا دور گاڑی روک دی۔ وہ کار سے نکل کر کوٹھی کے پچھلے حصے میں آئی۔ پچھلی طرف کچن تھا۔ وہ کچن کا دروازہ کھول کر اندر پہنچی۔ سلامت علی کی آواز آئی۔ "بڑی دیر لگا دی۔"

وہ کچن کے دوسرے دروازے پر کھڑا تھا۔ شہناز نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔ "کب سے یہاں کھڑے ہو؟"

"جب سے تم نے پچھلا دروازہ کھُلا رکھنے کو کہا تھا' بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں۔"

"تم نے مجھے فون پر دھمکی دی تھی اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ ضرور آؤں گی۔ پھر زبیر کو فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں جانتا تھا تم سیدھی میرے پاس نہیں آؤ گی۔ پہلے اپنے عاشق کے پاس جاؤ گی اور میں بے چارہ پہلے ہی بوڑھا ہوں' انتظار میں اور بوڑھا ہو جاؤں گا۔ دیکھ لو' زبیر کو فون کرنے سے تم کیسے بجلی کی طرح آ گئی ہو۔ آؤ بیڈ روم میں آؤ۔"

وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔ "میں زبیر کو باہر چھوڑ کر آئی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ کچھ میں نے انتظار کیا تھا' کچھ وہ انتظار کرے گا۔"

"تم نے زبیر کے حوالے سے مجھے دھمکی دی تھی اور کہا تھا کہ ہماری کچھ تصویریں تمہارے پاس ہیں۔"

"میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔"

"مجھے وہ تصویریں دکھاؤ گے؟"

"جب دکھائے بغیر زبیر سے تعلقات کا اعتراف کر رہی ہو۔ آدھی رات کے بعد اس جوان کے ساتھ یہاں تک آئی ہو تو پھر تصویریں دیکھ کر کیا کرو گی؟"

وہ خواب گاہ میں آئے۔ سلامت نے دروازے کو اندر سے بند کیا' پھر پوچھا۔ "تمہیں ڈر تو نہیں لگ رہا ہے؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "تم نے دروازہ بند کیا ہے' میں کھول کر جاؤں گی۔ جب اپنی ذات پر اتنا اعتماد ہو تو ڈر بھاگ جاتا ہے۔"

"زبیر سے تمہاری دوستی کتنی پرانی ہے؟"

"فضول سوالات میں وقت ضائع نہ کرو کام کی بات کرو۔"

دروازے پر دستک سنائی دی پھر ملازم کی آواز آئی۔ "جناب چائے لایا ہوں۔"

سلامت علی نے کہا۔ "لے جاؤ اور ادھر نہ آنا۔ ضرورت ہوگی تو بلا لوں گا۔"

شہناز نے پوچھا۔ "تم رات کے ڈیڑھ بجے چائے پیتے ہو؟"

"تمہارے انتظار میں پینا چاہتا تھا۔ تم آ گئیں اس لئے چائے واپس کر دی۔"

شہناز نے پرس سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا' اس میں سے ایک سگریٹ نکال کر پوچھا۔ "میرا خیال ہے تم سگریٹ نہیں پیتے؟"

"خیال درست ہے۔ مجھے سگریٹ پینے والی عورت ذرا اچھی نہیں لگتی۔"

"پھر تو مجھے ضرور پینی چاہئے۔"

اس نے اونچی ایڑی کے لائٹر والی ننھی سی چرخی کو کھڑے ہی کھڑے فرش پر رگڑا دیا۔ ایڑی کے تلے سے ننھا سا شعلہ پیدا ہوا۔ اس نے جھک کر سگریٹ کو آگ دکھائی۔ اس کا ایک کش لگایا پھر ایڑی فرش پر رکھ دی۔ ننھا سا شعلہ بجھ گیا۔

سلامت نے کہا۔ "بالکل نئے ڈیزائن کی سینڈل ہے۔ تمہاری ساس سے کہوں گا' یہ مال ایکسپورٹ کے لئے تیار کرے۔"

"پلیز مسٹر سلامت! کام کی بات کرو۔ میرے خلاف جو ثبوت ہیں' وہ دکھاؤ اور مقصد بیان کرو۔"

"بی بی! تم بے حد حسین ہو۔ کاش' میں جوان ہوتا۔ میں اپنی موجودہ عمر میں زیادہ سے زیادہ جینے کی آرزو کرتا ہوں اور یہ اسی وقت ممکن ہے' جب میرے باقی تین پارٹنر ختم ہو جائیں' اس سلسلے میں تم میرے کام آ سکتی ہو۔"

"وہ کیسے؟"

"کامل اور اپنی ساس کو کھانے پینے کی چیز میں چٹکی بھر زہر دے دو۔ میں ایسی ترکیب بتاؤں گا کہ تم پر الزام نہیں آئے گا۔ ذرا سوچو' اس میں تمہارا فائدہ کتنا زیادہ ہے۔"

"ہاں' بہت زیادہ ہے۔ خدمت شوز کمپنی ساس کے نام ہے۔ وہ مر جائے گی تو اس کا مالک کامل کو ہونا چاہئے لیکن اس کی بیوہ مالکن بن جائے گی۔ یعنی میں مالکن بن کر تمہارے اشاروں پر ناچوں گی۔"

"یوں نہ سوچو بلکہ یوں سوچو کہ اپنے محبوب زبیر سے شادی کر سکو گی۔ کاروبار تمہارا

ہو گا' منافع تمہارا ہو گا۔ صرف مال میری مرضی کے مطابق تیار کراؤ گی۔ ہمارا کوئی رازدار نہیں رہے گا۔ کامل اور سلطانہ بیگم کی طرح دھنی رام اور ناشاد نظامی کو بھی ہمیشہ کے لئے راستے سے ہٹا دیا جائے گا۔"

"تم بہت دور کی سوچتے ہو' نزدیک کی نہیں سوچتے۔ میں تمہارے اتنے قریب ہوں اور تم نے اب تک موت کی آہٹ نہیں سنی۔"

اس نے سگریٹ کا کش لگا کر اسے ایک طرف پھینک دیا پھر پرس میں ہاتھ ڈال کر پستول نکال لیا۔ وہ گھبرا کر بولا۔ "ارے' یہ کیا مذاق ہے! میں تمہارے فائدے کی بات کر رہا ہوں اور تم پستول دکھا رہی ہو۔"

"میرا فائدہ چاہتے ہو تو تصویروں کے علاوہ جو ثبوت ہیں' وہ ابھی نکالو۔ چلو' باتیں بنانے میں وقت ضائع نہ کرو۔"

وہ الماری کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔ "تصویریں یہاں رکھی ہوئی ہیں۔"

"ٹھیک ہے' الماری کھولو مگر ذرا بھی چالاکی دکھانا چاہو گے تو پھر گولی چل جائے گی۔"

وہ الماری کے پاس آیا اور پھر اس کے پٹ کھول کر دیکھا۔ اندر ایک سوئچ بورڈ رکھا ہوا تھا۔ اس کا تار الماری کے پیچھے سے آیا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سوئچ آف کر دیا۔ پورے کمرے میں اور کوٹھی میں اچانک تاریکی چھا گئی۔ شہناز نے ٹھائیں سے گولی چلادی۔ اس سے پہلے ہی وہ اُچھل کر الماری کے پیچھے چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک گہری خاموشی رہی پھر دستک کے ساتھ ملازم کی آواز سنائی دی۔ "جناب! ابھی گولی چلنے کی آواز آئی تھی۔ آپ خیریت سے تو ہیں؟ دروازہ کھولئے۔"

شہناز نے دروازہ کھولتے ہی گولی چلائی۔ ملازم چیخ مار کر گر پڑا۔ دوسری طرف سلامت علی کی چیخ سنائی دی پھر خاموشی چھا گئی۔ شہناز نے کہا۔ "سلامت' مجھ سے مکاری نہیں چلے گی۔ وہ تصویریں میرے حوالے کردو اور زندہ رہو۔"

"اُلو کی پٹھی! میرے سر پر ہتھوڑا مار کر لہولہان کر دیا اور کہتی ہے زندہ رہو۔ اب میں نے بھی اپنا ریوالور نکال لیا ہے جدھر سے تیری گولی چلے گی' ٹھیک اُدھر میری گولی جائے گی۔ اندھیرے میں اسی طرح سچا نشانہ لگتا ہے۔"

"سلامت' میں تمہاری محکوم بن کر نہیں رہوں گی۔ معاملات اس طرح طے کرو کہ تم دھنی رام اور ناشاد کو ٹھکانے لگاؤ۔ میں اپنی ساس اور کامل کو ہمیشہ کے لئے ختم کردوں۔

پھر میں تمہیں اپنی شوز کمپنی کا آدھا منافع دوں گی۔"

"تم بہت ضدی ہو۔ اسی طرح معاملات طے ہو سکتے ہیں۔"

"تو پھر وہ تصویریں واپس کرو۔"

"شہناز بی بی! غیر قانونی دھندا کرنے والے ایک دوسرے کے دباؤ میں رہتے ہیں۔ ہم پہلے پانچ پارٹنرز نے اپنی اپنی آواز میں غیر قانونی دھندے کا اعتراف ریکارڈ کیا تھا' اس کی ایک ایک کیسٹ ہر ایک کے پاس ہے۔ شیخ جواد کے پاس بھی تھی۔ وہ تو مر گیا' کیسٹ چھوڑ گیا۔ پتا نہیں کہاں چھپا کر قبر میں گیا ہے۔ یہ ڈر لگا رہتا ہے کہیں وہ کیسٹ پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائے چونکہ تمہاری شرط کے مطابق آئندہ ہم دونوں کو بزنس پارٹنر بننا ہے' اسی لئے جب سے تم میری کوٹھی میں آئی ہو' تمہاری آواز کی کیسٹ میری اوپری جیب میں ریکارڈ ہو رہی ہے۔"

"تم بہت کمینے ہو۔"

"یہ دھندا ہی کمینوں کا ہے۔ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ لو۔ تم نے یہاں آکر اعتراف کیا ہے کہ زبیر سے تمہارے تعلقات ہیں۔ وہ رات کے دو بجے تمہارے ساتھ یہاں آیا ہے اور باہر انتظار کر رہا ہے۔ تم نے پورے ہوش وحواس میں رہ کر مجھ سے معاملات طے کئے ہیں کہ تم اپنی ساس اور کامل کو ہمیشہ کے لئے ختم کرکے اپنی شوز کمپنی کا آدھا منافع مجھے دیا کرو گی۔ تمہاری یہ ساری اعترافی گفتگو ریکارڈ ہو چکی ہے اور اس تاریکی میں ہمارے درمیان ریوالور اور پستول کی جو جنگ جاری ہے' وہ بھی اس ریکارڈنگ کے ذریعے سمجھنے والوں کی سمجھ میں آئے گی۔ لگے ہاتھوں یہ بھی اعتراف کرلو کہ شیخ جواد کو تم نے ہی قتل کیا تھا۔"

بات ختم ہوتے ہی سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ کوئی وزنی چیز ماری گئی تھی۔ وہ چیخ مار کر خاموش ہو گیا۔ شہناز نے چونک کر پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ اوہ گاڈ! میں نے پہلے بھی ایسی آواز سنی تھی جیسے کوئی چیز ٹکرائی ہو یا پٹخی گئی ہو۔ میں نے تمہاری اس بات پر دھیان نہیں دیا تھا کہ تمہارے سر پر ہتھوڑا مار کر کسی نے تمہیں لہولہان کیا ہے۔ جواب دو تم نے دوسری بار کیوں چیخ ماری۔"

اس کی طرف سے جواب نہیں مل رہا تھا۔ پھر وہ سونگھتے ہوئے بولی۔ "یہ پٹرول کی بُو کیسی ہے۔ سلامت! کیا تم خاموشی سے کوئی چال چل رہے ہو؟"

اسے جواب نہیں مل رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ایسے وقت کیا کرنا

چاہئے۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ اس کی آواز کی کیسٹ سلامت کی جیب میں رکھی ہوئی تھی اور اندھیرے میں وہ قریب جاکر کسی خطرے سے دوچار ہونا نہیں چاہتی تھی۔

پھر بڑی دیر بعد اسے عقل آئی کہ لائٹر تو پاؤں کے نیچے ہے' اسے سلگا کر کمرے میں روشنی کر سکتی ہے۔ وہ راستہ ٹٹول کر احتیاطاً ایک صوفے کے پیچھے گئی پھر ایڑی کی ننھی سی چرخی کو فرش پر رگڑا دیا' اس کے ساتھ ہی ننھا سا شعلہ نمودار ہوا کمرے میں محدود روشنی ہوگئی۔ روشنی خواہ کتنی ہی مختصر ہو' گہری تاریکی دُور تک چھٹ جاتی ہے۔

ذرا دور سلامت فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ خون میں بھیگا ہوا تھا۔ لباس بھی جیسے پانی میں بھیگا ہوا لگ رہا تھا لیکن پٹرول کی بو آرہی تھی۔ وہ پنجوں کے بل ایک قدم آگے بڑھی تاکہ ایڑی لائٹر بجھنے نہ پائے۔ اسے اتنی عقل تھی کہ لائٹر کی آگ لے کر سلامت کے قریب نہیں جانا چاہئے۔ اس نے سوچا تھا' ایک قدم اور آگے جائے گی۔ پھر لائٹر بجھا کر تاریکی میں اس کی جیب سے پاکٹ کیسٹ ریکارڈر نکال لے گی۔

پٹرول کی بُو ملتے ہی لائٹر بجھا دینا چاہئے تھا لیکن سلامت کی بیہوشی بتا رہی تھی کہ وہاں کوئی تیسرا بھی موجود ہے یا تھا' اب نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے گھوم کر چاروں طرف نظر دوڑائی پھر مطمئن ہوکر ایڑی فرش پر رکھ کر لائٹر کو بجھانا چاہا' اس کے ساتھ ہی حلق سے چیخ نکل گئی۔ پاؤں کے نیچے سے آگ بھڑک کر تیزی سے بڑھتی ہوئی سلامت کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔

اگر وہ فوراً ہی اُچھل کر پیچھے نہ جاتی تو خود آگ کی لپیٹ میں آجاتی۔ پٹرول صرف سلامت پر نہیں' فرش پر بھی ذرا دور تک چھڑکا گیا تھا۔ سلامت نیم بے ہوشی سے نکل آیا تھا۔ سر تا پا آگ میں گِھر کر چیخ رہا تھا۔ اُچھل کر کھڑا ہوگیا۔ شہناز بھاگ کر دروازے تک آئی پھر خیال آیا کیسٹ سلامت کے پاس ہے۔ اسے چھوڑ کر جائے گی تو بعد میں بُری طرح پھنسے گی۔ بوکھلاہٹ میں ایسا خیال آیا تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیسٹ بھی سلامت کے ساتھ جل کر راکھ ہوجائے گی۔ وہ شعلوں میں لپٹا ہوا بھاگ رہا تھا۔ شہناز نے اسے گولی مار دی۔ وہ چیختا ہوا اچھل کر گر پڑا۔ اگر گولی نہ لگتی تو وہ شہناز کی طرف آتا۔

اس کے دوبارہ گرنے سے پاکٹ ریکارڈر جیب کے اندر سے باہر آکر گر پڑا۔ شہناز نے لپک کر اسے اٹھایا۔ وہ گرم ہوچکا تھا۔ مگر آگ سے محفوظ تھا۔ وہ اسے لے کر تیزی سے چلتی ہوئی کچن میں آئی۔ اس کے پچھلے دروازے سے نکل کر پائیں باغ میں دوڑتی

ہوئی احاطے کے چھوٹے سے گیٹ کو پار کرگئی۔ زبیر نے دور سے اسے دیکھا۔ گاڑی اسٹارٹ کی' اسے آگے بڑھا کر شہناز کے قریب لے آیا۔ وہ دروازہ کھول کر بیٹھ گئی' دروازے کو بند کردیا۔ گاڑی پھر ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

زبیر نے طوفانی رفتار سے ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا۔ "تم خیریت سے تو ہو؟"

وہ آنکھیں بند کئے سینے پر ہاتھ رکھے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ زبیر نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ پھر اسے ذرا دم لینے کے لئے چھوڑ دیا۔ کوئی سوال نہیں کیا۔ اس کی بند آنکھوں کے پیچھے تاریک کمرہ تھا۔ اس کمرے میں پیش آنے والی بہت سی باتیں دماغ میں چکرا رہی تھیں۔ سلامت علی پہلے لہولہان نظر آیا۔ پھر شعلوں میں لپٹا ہوا دکھائی دیا۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ اس کمرے میں اور کون تھا؟ کس نے سلامت کو زخمی کرکے اس پر پٹرول چھڑکا تھا؟

ایک بات یقینی تھی۔ وہاں جو بھی تھا' اس نے شہناز کو پہچان لیا ہوگا۔ شاید ابھی پیچھا کررہا ہوگا۔ وہ ایک خطرے سے نمٹ کر دوسرے خطرے کو اپنے پیچھے لگا چکی تھی۔ اس نے چونک کر آنکھ کھول دی۔ پیچھے گھوم کر ویران سڑکوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کوئی ہمارے تعاقب میں تو نہیں ہے؟"

"اطمینان رکھو۔ میں عقب نما آئینہ دیکھتا رہا ہوں۔ تم محفوظ ہو مگر بہت پریشان ہو۔ میں نے تین بار گولیاں چلنے کی آواز سنی تھی۔"

"وہ مرچکا ہے۔"

"کیا تم نے؟"

"ہاں مگر میں نے مرتے ہوئے پر گولی چلائی تھی۔ بڑی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ وہاں کوئی تیسرا بھی موجود تھا۔ وہ بہت پُراسرار تھا۔ شاید اتنا بھی پُراسرار نہ ہوتا مگر اس نے تاریکی سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ آج اس نے شیخ جواد کی طرح سلامت کو بھی جل مرنے پر مجبور کیا ہے۔"

یہ کہتے ہی اسے ہاتھ میں پکڑا ہوا کیسٹ ریکارڈر یاد آیا۔ اس نے ریکارڈر میں سے کیسٹ نکالنے کے لئے ایجکٹ کا بٹن دبایا۔ کیسٹ کا خانہ کھل گیا لیکن وہ خالی تھا۔ وہ چیخ کر بولی۔ "کیسٹ کہاں ہے؟"

زبیر نے پوچھا۔ "کیسی کیسٹ؟"

"سلامت اس ریکارڈر سے میری لاعلمی میں گفتگو ریکارڈ کر رہا تھا۔ کیسٹ کو اس

میں ہونا چاہئے تھا۔"

"ہو سکتا ہے' وہ ریکارڈ نہ کر رہا ہو۔"

"اس نے مجھ سے کہا تھا۔"

"شاید جھوٹ بول کر دھونس جما رہا تھا۔"

"نہیں۔ میں بُری طرح پھنس گئی ہوں۔ جو تیسرا وہاں موجود تھا' وہی کیسٹ لے گیا ہے۔ وہ اندھیرے میں سلامت کے قریب تھا۔ اسے زخمی کرنے کے بعد اس نے ریکارڈر میں سے کیسٹ کو نکالا ہو گا۔ پھر ریکارڈر کو اس کی جیب میں رکھ کر اس پر پٹرول چھڑکا ہو گا۔ وہ بڑے بچے تلے انداز میں اپنا کام کر گیا ہے۔"

"شہناز! تم بہت پریشان ہو۔ میرے بُرے وقتوں میں تم نے کہا تھا' پریشان ہونے سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ ایسے وقت انسان کو کسی طرح دماغی سکون حاصل کر کے اطمینان سے مسئلے کا تجزیہ کرنا چاہئے۔ آج یہی بات میں تمہیں سمجھاتا ہوں' کسی طرح دماغی سکون حاصل کرو۔"

"کیسے سکون ملے گا۔ وہ پُراسرار قاتل میرے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہا ہے۔"

"اس پہلو سے سوچو کہ وہ تمہارا دشمن نہیں ہے۔ ورنہ سلامت کے ساتھ تمہیں بھی ختم کر دیتا۔"

"آں؟" وہ چونک کر بولی۔ "تم نے بہت اچھا نکتہ پیش کیا ہے۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ اس نے مجھے نقصان نہیں پہنچایا۔ آخر کیوں؟"

زبیر نے کہا۔ "دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ وہ آئندہ تمہیں بلیک میل کر کے' تم سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے یا پھر تمہارے حسن و شباب کا دیوانہ ہے۔ اس ہیرے جیسے بدن پر اس نے ایک خراش نہیں آنے دی۔"

وہ خوش ہو کر مسکرانے لگی۔ اس زاویے سے سوچنے کے باعث دماغ کا بوجھ ایک دم سے اتر گیا تھا۔ اسے سکون حاصل ہو رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر پوچھا۔ "میرے کسی دیوانے کی بات کر رہے ہو۔ کیا رقابت محسوس نہیں ہوتی؟"

"میں تمہارا نمک کھاتا ہوں۔ تمہاری خوشی میری خوشی ہے۔ کسی نئے دیوانے کو پھانستے وقت میری فکر نہ کرو۔ میں نمک حلال عاشق ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "تو پھر گاڑی سے اتر جاؤ۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں اگر وہ دیوانہ ہو گا تو مجھے تنہا دیکھ کر ضرور قریب آئے گا۔"

زبیر گاڑی سے اتر گیا۔ وہ پھر ملنے کا وعدہ کر کے وہاں سے تنہا ڈرائیو کرتی ہوئی سُست رفتاری سے جانے لگی۔ آئینہ کہتا تھا کہ وہ حُسن کا شاہکار ہے اور جوانی کوٹ کوٹ کر بارود کی طرح بھری ہوئی ہے۔ کامل کی دولت نے اور چار چاند لگا دیئے تھے۔ دیکھنے والوں کی نگاہیں اس پر اٹک کر رہ جاتی تھیں۔ ایسے میں یہ سوچنا درست تھا کہ وہ اتفاقاً قاتل کے ہاتھوں سے پھسل کر نہیں آئی تھی بلکہ قاتل خود پھسل پڑا تھا اور آئندہ کہیں نہ کہیں حُسن کے روبرو پیش ہونے والا تھا۔

وہ ایک گھنٹے تک تفریح کے انداز میں گھومتی رہی۔ عقب نما آئینے میں دیکھتی رہی اور مایوس ہوتی رہی۔ وہ پریشانیاں جو خوش فہمی کے تھپکنے سے وقتی طور پر سو گئی تھیں' پھر بیدار ہونے لگیں۔ ایسی حالت میں وہ سڑکوں پر گھوم نہیں سکتی تھی۔ اپنی کوٹھی میں واپس آ گئی۔ اس نے گیٹ کھولنے والے چوکیدار سے پوچھا۔ "کوئی آیا تھا؟"

"جی ہاں۔ بڑی مالکن واپس آ گئی ہیں۔"

وہ اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے بولی۔ "مگر وہ تو کل شام کو واپس آنے والی تھیں؟"

چوکیدار منہ تکنے لگا۔ وہ بھلا کیا جواب دیتا۔ بڑے لوگ ملازموں کو آنے جانے کا وقت بتا کر نہیں جاتے۔ وہ ڈرائیو کرتی ہوئی پورچ میں آئی۔ کار سے اتر کر جھجکتے ہوئے قدموں سے برآمدے میں پہنچی اور کوئی بہانہ سوچنے لگی۔ رات کے تین بج کر پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ جوان بہو کا گھر سے باہر رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ وہ اتنی رات تک باہر تھی مگر گھر میں جانا بھی ضروری تھا۔ وہ گھر کی تنہا مالکن بننے کے لئے اتنے چکر چلا رہی تھی۔

اس نے دروازہ کھولا۔ بڑے سے ڈرائنگ روم کے ایک طرف بالکونی تھی۔ بالکونی کے جھولے میں سلطانہ بیگم بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ ساس کو دیکھتے ہی رک گئی۔ پھر ہکلاتے ہوئے بولی۔ "آ........ آپ........ ابھی........ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟"

"تم بھی تو جاگ رہی ہو۔"

"مم........ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ کامل کہیں جاتے ہیں تو میں بہت تنہا رہ جاتی ہوں۔"

"مجھے تم پر ترس آتا ہے۔ تمہاری جیسی عورتوں کو دو کھلونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو دوسرا دل بہلانے کو رہتا ہے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟"

"جیسی تم ہو' ویسی باتیں کر رہی ہوں۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی پوچھ رہی ہوں کہ

میرے بیٹے کا پیچھا کب چھوڑ رہی ہو؟"

"آپ یہ سوال اپنے بیٹے سے بھی کرتی ہیں اور ہمیشہ اپنا سامنہ لے کر رہ جاتی ہیں۔ اب تک ہم میاں بیوی کی سچی محبت کو تسلیم کر لینا چاہئے تھا۔ مگر آپ کی طرح دنیا کی کوئی ساس تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتی۔"

"جب تمہاری جھوٹی محبت کا خول اترے گا تو میرے بیٹے کے دل پر کیا گزرے گی؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "صدمے سے پاگل ہو جائے گا۔ یا آنکھوں میں خون اتر آئے گا اور مجھے قتل کر دے گا۔"

"تم اس بات پر ہنس رہی ہو؟"

"ہاں' اس لئے کہ آپ اپنے بیٹے کو قاتل بنتے نہیں دیکھ سکیں گی اور اس کا دل ٹوٹنا بھی آپ سے برداشت نہیں ہو گا۔ اسی لئے آپ میری چھوٹی بڑی غلطیوں کو بیٹے سے چھپا لیتی ہیں۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ ایک مثالی ساس ہیں۔ میں آپ کی مجبوریوں سے بہت محبت کرتی ہوں۔"

"کبھی یہ بھی سمجھنے کی کوشش کرو کہ پانی سر سے اونچا ہو جائے گا تو کیا ہو گا؟"

"کل کیا ہو گا' کون جانتا ہے۔ بس ایک اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارا کل اچھا ہو گا۔ میں بھی اسی اندازے پر یقین کر رہی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے بیڈ روم کی طرف جانے لگی' سلطانہ بیگم نے کہا۔ "بہو! میں اپنے بیٹے کو نہیں بتاؤں گی کہ تم آج رات باہر تھیں۔"

وہ رک گئی۔ مسکرا کر بولی۔ "میری ساس بے مثال ہے۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ بدستور مسکراتی ہوئی ٹیلیفون کے پاس آئی۔ پھر ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے کامل کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔ چند ساعتوں کے لئے یوں لگا جیسے وہ بھی ماں کی طرح گھر میں موجود ہو اور کان کے قریب آ کر بول رہا ہو۔ وہ حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔ "تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟"

وہ ساس کی طرف دیکھتے ہوئے محبت سے بولی۔ "اگر تمہیں یقین نہیں آتا کہ میں تمہاری جدائی میں راتوں کو جاگتی ہوں تو پھر فون کسے کیا ہے؟"

"میں تو جب بھی باہر جاتا ہوں' اپنے پہنچنے کی اطلاع امی کو دیتا ہوں۔ امی کو ریسیور دو۔ پھر میں تم سے بات کروں گا۔"

سلطانہ بیگم جھولے سے اتر کر قریب آ گئی تھیں۔ شہناز نے انہیں ریسیور دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر بولیں۔ "کیا جہاز دیر سے پہنچا ہے؟"

"جی ہاں۔ اچھا ہوا کہ آپ ایئر پورٹ سے واپس چلی گئی تھیں۔ ورنہ بور ہو جاتیں۔"

"تمہارے ساتھ سفر کرنے میں کبھی بور نہ ہوتی۔ وہ تو اچانک خیال آیا کہ بزنس ڈائری گھر بھول آئی ہوں۔"

"ڈائری مل گئی ہو تو صبح کی فلائٹ سے آ جائیں۔"

"نہیں بیٹے! تم اپنا کام نمٹا کر کل شام تک چلے آؤ۔ پتا نہیں کیوں میرا دل گھبرا رہا ہے۔ میں ابھی کاروباری معاملات میں دلچسپی نہیں لوں گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "امی! آپ کا دل گھبرا رہا ہے' یہ انوکھی بات ہے۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے' آپ کو کبھی بیمار نہیں دیکھا۔ ایک دن کی کھانسی یا بخار ہو جائے' وہ الگ بات ہے مگر کوئی مرض یا مسئلہ آپ کو ذہنی اور جسمانی طور پر کبھی بیمار نہیں بناتا۔ آپ کسی مصیبت سے نہیں گھبراتیں۔ پتا نہیں کس مٹی سے بنائی گئی ہیں۔ آپ مجھے جلد بلانے کے لئے گھبراہٹ کا اظہار کر رہی ہیں۔"

"بہت بولتے ہو۔ یہی سمجھو اور جلدی واپس آ جاؤ۔ لو اب شہناز سے باتیں کرو۔"

انہوں نے بہو کو ریسیور دیا۔ پھر جھولے میں جا کر بیٹھ گئیں۔ شہناز نے فون پر کہا۔

"اپنی امی سے یہ تو کہہ دیتے کہ صبح ہونے والی ہے' کمرے میں جا کر آرام سے سو جائیں۔"

"ان کی فکر نہ کرو۔ وہ کسی خاص وجہ سے جاگ رہی ہوں گی۔"

"وہ خاص وجہ کیا ہو سکتی ہے؟"

"میں کیا بتا سکتا ہوں کہ کیا وجہ ہو سکتی ہے........... بعض اوقات امی کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ مجھے تو تمہاری شب بیداری پر حیرت ہے۔"

"جب دل اپنے قابو میں نہیں رہتا تو نیند بھی اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔"

"ہائے' تمہاری یہ محبت بھری باتیں مجھے دیوانہ کر دیتی ہیں۔ میں یہاں انٹرکان میں ہوں۔ جب دل چاہے فون کر لینا۔ اب جاؤ' سو جاؤ۔ صبح تک جاگنا مناسب نہیں ہے۔"

شہناز نے چند محبت بھرے مکالمے ادا کرنے کے بعد ریسیور کو رکھ دیا۔ پھر ساس کو دکھاتے ہوئے مسکراتی ہوئی گنگناتی ہوئی اپنی خواب گاہ کی طرف جانے لگی۔ حالانکہ

گنگنانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ سلامت علی کے ہاں جو کچھ ہوا اور جو بازی وہ ہار کر آئی تھی اس کا بوجھ دماغ پر تھا۔ وہ دروازہ کھول کر خواب گاہ میں داخل ہوئی۔ لائٹر سینڈل اتارنے کے لئے ایک کرسی پر بیٹھی۔ ایسے وقت نظر اپنے پلنگ پر گئی تو مارے حیرت کے اُچھل کر کھڑی ہو گئی۔

اس کے بستر پر وہ پرس رکھا ہوا تھا جسے وہ اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ اس پرس میں سے پستول نکال کر سلامت کو گولی ماری تھی۔ بھاگ دوڑ میں اسے پرس کا خیال نہیں رہا تھا۔ شاید اس وقت ہاتھوں سے گر پڑا تھا' جب وہ جھک کر پاکٹ ریکارڈر فرش سے اٹھا رہی تھی۔ اس نے پرس پر توجہ نہیں دی تھی۔ وہ اکثر اپنی کار کے اندر اسے چھوڑ آتی تھی۔ آج بھی غیر شعوری طور پر یہی اطمینان تھا کہ پرس کار کے اندر ہے لیکن وہ سلامت کے بیڈ روم میں رہا ہو یا اپنی کار کے اندر' اسے وہیں رہنا چاہئے تھا جبکہ وہ شہناز سے پہلے اس کی خواب گاہ میں پہنچ گیا تھا۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بے یقینی سے پرس کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ یہ کہاں رہ گیا تھا؟ اور یہاں کیسے آگیا؟

کیا پہلے کچھ کم الجھنیں تھیں۔ ایک تو کسی پُراسرار قاتل نے الجھایا تھا۔ دوسرے اس ریکارڈر سے کیسٹ غائب ہو گئی تھی۔ تیسرے وہ پرس اس سے پہلے اس کے بیڈ روم میں پہنچ گیا تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی خواب گاہ سے باہر آئی۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر جب بالکونی کی سمت دیکھا تو وہاں جھولا خالی تھا۔ ساس نہیں تھی' شاید سونے چلی گئی تھی۔

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ساس کے دروازے تک آئی۔ ہاتھ اٹھا کر دستک دینا چاہتی تھی۔ پھر رُک گئی۔ دماغ نے پوچھا۔ "ساس سے کیا پوچھو گی؟ کیا یہ کہ تمہارا پرس جائے واردات سے تمہاری خواب گاہ میں کیسے پہنچ گیا؟"

وہ ایسی بات پوچھ نہیں سکتی تھی۔ دروازے سے پلٹ کر جانے لگی۔ تب بند دروازے کے پیچھے سے سلطانہ بیگم کی آواز آئی۔ "کیا بات ہے بہو؟ کیا نیند اڑ گئی ہے؟"

"آں؟ نہیں۔ کچھ نہیں..........."

وہ دروازے سے دور گئی۔ پھر پلٹ کر دیکھا۔ ان لمحات میں ساس چڑیل لگ رہی تھی۔ بند دروازے کے پیچھے سے معلوم کر لیا تھا کہ بہو آئی ہے۔ اسی چڑیل نے کالے جادو سے اس کے پرس کو خواب گاہ میں پہنچایا ہو گا۔

اس نے سوچا۔ "یوں کالے جادو سے قطع نظر دیکھا جائے تو اتنی بڑی کوٹھی میں دو

ہی عورتیں ہیں۔ تیسرا کوئی نہیں ہے۔ ملازم اپنے کوارٹر میں ہیں۔ چوکیدار گیٹ پر ہے۔ لہٰذا اس پرس کو میرے ہاتھ سے بیڈ روم میں پہنچنا چاہئے یا میری ساس کے ہاتھوں سے۔"

اس نے پھر گھورتے ہوئے ساس کے دروازے کو دیکھا۔ اس کے بعد تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے باہر آئی۔ چوکیدار کو بلا کر پوچھا۔ "تم کوٹھی کے اندر میرے بیڈ روم میں گئے تھے؟"

"جی نہیں بی بی جی! میں تو مہینے میں ایک بار تنخواہ لینے اندر جاتا ہوں۔"

اس نے تمام ملازموں کو ان کے کوارٹرز سے بلا کر یہی سوال کیا۔ انہوں نے بھی انکار کیا۔ وہ پریشان ہو کر سوچتی ہوئی اندر آئی۔ اس کا سر گھوم رہا تھا۔ ایک خیال آیا کہیں یہ کامل کی چال نہ ہو وہ اسی شہر میں ہو اور اپنی ماں کے ساتھ مل کر دھوکا دے رہا ہو۔

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ٹیلیفون کے پاس آئی۔ ریسیور اٹھا کر کوڈ نمبروں کے ساتھ ہوٹل کے نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر فون کی گھنٹی سنائی دی۔ وہ بولی۔ "کمرہ نمبر چار سو سات ملائیں۔" یہ نمبر اسے کامل نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔

آپریٹر نے کہا۔ "پلیز' ہولڈ آن۔"

چند سیکنڈ کے بعد دوسری طرف سے کامل کی آواز آئی۔ "ہیلو.......... ہیلو.......... کون ہے؟"

وہ آٹھ سو میل دور ایک ہوٹل سے بول رہا تھا۔ "ہیلو ہیلو' کون ہو تم' بولتے کیوں نہیں؟"

شہناز نے ریسیور رکھ دیا۔ ثبوت مل گیا تھا کہ جو کچھ اس کے ساتھ ہو رہا ہے' اس میں کامل کا ہاتھ نہیں ہے۔ اس نے ٹیلیفون کے پاس سے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازے کے پیچھے سلطانہ بیگم گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی کِی ہول سے بہو کی بھاگ دوڑ دیکھ رہی تھی۔ اب وہ ٹیلیفون کے پاس سے پلٹ کر اسی دروازے کی طرف آرہی تھی۔ جب وہ قریب آکر فرش پر گھٹنوں کے بل جھکنے لگی تو سلطانہ بیگم کِی ہول کے اس سے ہٹ گئیں۔ اب شہناز اِدھر جھک کر کِی ہول سے جھانک رہی تھی۔ اسے کمرے کے اندر تاریکی کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ اس کا مطلب تھا' ساس بتی بجھا کر سو گئی ہے۔"

وہ دروازے کے پاس سے ہٹ گئی۔ کِی ہول سے ڈرائنگ روم کی ہلکی روشنی کمرے میں آئی تو سلطانہ بیگم نے سمجھ لیا کہ بہو جھانکنے کے بعد جارہی ہے۔ وہ کِی ہول سے آنکھ لگا کر پھر دیکھنے لگی۔ شہناز اپنی خواب گاہ کی طرف جارہی تھی۔ سلطانہ بیگم نے

زیرِ لب کہا۔ "جاؤ۔ یہ تمہاری آخری رات تھی جس کی صبح ہو رہی ہے۔ بڑی بھیانک صبح' جس کی شام نہیں ہوگی۔"

وہ کِی ہول سے ہٹ کر تاریکی میں چلتی ہوئی ایک کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ تصور میں بہو نظر آرہی تھی کہ وہ خواب گاہ میں پھر پرس کو دیکھے گی پھر دہشت اور الجھنوں میں مبتلا ہوگی۔ تمام رات جاگنے کے باوجود سو نہیں سکے گی' جس بہو کو بیٹے کا پیار اور پھولوں کا بستر دیا' وہ اسے کانٹوں کا بستر بنا چکی تھی۔

سلطانہ بیگم نے ایک گھنٹے بعد اندازہ کیا' شاید بہو سو گئی ہے۔ کچھ بے حس اور ڈھیٹ قسم کے لوگ شدید پریشانی اور مصیبت کے وقت بھی سو جاتے ہیں۔ کھڑکی کے باہر صبح کی ہلکی ہلکی روشنی جھلک رہی تھی۔ انہوں نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا۔ بہو اور بیٹے کے کمرے میں دوسرے نمبروں کا فون تھا۔ انہوں نے وہ نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف کی گھنٹی بجنے لگی۔ پھر بہو کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو......... ہیلو۔" وہ ذرا چپ ہوئی۔ پھر بولی۔ "ہیلو کون ہے' جواب دو۔ ورنہ فون بند کر دوں گی۔"

سلطانہ بیگم نے چھوٹا سا ریکارڈر آن کیا۔ اس میں سے شہناز کی آواز ابھرنے لگی۔ دوسری طرف شہناز چونک کر سہم سہم کر اپنی ہی آواز سن رہی تھی۔ یہ وہی کیسٹ تھی جس میں اس کے ساتھ سلامت علی کی بھی گفتگو تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "سلامت! میں تمہاری محکوم بن کر نہیں رہوں گی۔ معاملات اس طرح طے کرو کہ تم دھنی رام اور ناشاد کو ٹھکانے لگاؤ۔ میں اپنی ساس اور کامل کو ہمیشہ کے لئے ختم کردوں گی۔"

کیسٹ میں آگے بھی بہت کچھ تھا لیکن سلطانہ بیگم نے ریکارڈر بند کر دیا۔ دوسری طرف سے شہناز نے چیختی ہوئی سرگوشی میں پوچھا۔ "کون ہو تم؟ کون ہو؟ دیکھو ریسیور نہ رکھنا۔ میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ ملنا نہ چاہو تو بات کرو۔ بولو کیا چاہتے ہو۔ دیکھو' تمہارے دل میں میرے لئے تھوڑی سی جگہ ہے۔ اسی لئے تم نے مجھے سلامت کے ہاں نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ میرے دل میں بھی تمہارے لئے جگہ ہے۔ صرف تمہارے لئے جگہ ہے۔ تم جو چاہو گے مجھے منظور ہوگا۔ جو کہو گے' وہ کروں گی۔ پلیز! کچھ بولو' مجھے خوف اور دہشت کے عذاب سے نکالو۔ ہیلو' تم بولتے کیوں نہیں؟ ہیلو ہیلو۔ کیا تم نے فون بند کردیا ہے۔ نہیں نہیں۔ تم فون بند نہیں کرو گے۔"

وہ کریڈل کو کھٹکھٹاتی جارہی تھی اور اسے پکارتی جارہی تھی۔ "بولو' تم بولتے کیوں نہیں؟ کیسے مرد کے بچے ہو۔ ایک عورت کو عذاب میں مبتلا کر رہے ہو۔ بولو' سؤر کے

بچے' بولو۔ ذلیل' کمینے' گندی نالی کے کیڑے' تمہیں مجھ سے کیا دشمنی ہے؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ بولو' نہیں تو میں تمہارا سر اڑا دوں گی۔"

اس نے سر توڑنے کے لئے ریسیور کو پوری قوت سے کریڈل پر مارا۔ پھر لمبی لمبی سانس لینے لگی جیسے بہت دیر سے بولتی ہوئی نہیں' بہت دور سے دوڑتی آرہی ہو۔

رات گزر چکی تھی۔ دوسرا دن نکل آیا تھا۔ شہناز کے دیدے یوں پھیلے ہوئے تھے جیسے وہ پلکیں جھپکنا بھول گئی ہو۔ وہ زخمی شیرنی کی طرح ہانپ رہی تھی اور بڑبڑا رہی تھی۔ "دیکھ لوں گی' اس پُراسرار کمینے سے بھی نمٹ لوں گی۔ کیسٹ بہت زیادہ اہم نہیں ہے۔ کسی کی بھی آواز کی کامیاب نقالی ہوسکتی ہے۔ میں کسی مکار وکیل کے ذریعے ثابت کردوں گی کہ اس کیسٹ میں میری اور سلامت کی آواز کی کامیاب نقالی کی گئی ہے۔"

وہ چپ ہوگئی۔ ڈرائنگ روم سے فون کی گھنٹی سنائی دے رہی تھی۔ اتنی صبح کس نے فون کیا ہے؟ وہ خواب گاہ سے باہر آئی۔ حالانکہ صبح سویرے بھی فون کالیں آتی رہتی تھیں۔ مگر آج فون کی گھنٹی دل کو دھڑکا رہی تھی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی ٹیلیفون کے پاس آئی۔ چور نظروں سے ساس کے دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر ریسیور اٹھا کر بولی۔ "ہیلو۔"

"ہیلو' میں ڈی ایس پی افضال احمد بول رہا ہوں کیا آپ بیگم سلطانہ ہیں؟"

ڈی ایس پی کا نام سنتے ہی کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وہ ذرا سنبھل کر بولی۔ "میں ان کی بہو شہناز کامل ہوں۔"

"مسٹر کامل کہاں ہیں؟"

"وہ کل شام کی فلائٹ سے لاہور گئے ہیں۔ انٹر کان کمرہ نمبر چار سو سات میں ہیں۔ بات کیا ہے؟"

"بیگم سلطانہ اور کامل کی جان کو خطرہ ہے۔ ان کے ایک بزنس پارٹنر شیخ جواد کو ایک ہفتہ پہلے زندہ جلا کر مارا گیا تھا۔ کل رات کسی سفاک قاتل نے دھنی رام' ناشاد اور سلامت علی تینوں پارٹنرز کو جلا کر مار ڈالا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ خدمت شوز کمپنی کے پانچوں پارٹنرز کا مشترکہ دشمن کوئی ہے۔ میں ایک سب انسپکٹر اور چند سپاہیوں کو آپ لوگوں کی حفاظت کے لئے بھیج رہا ہوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ گھر کا کوئی فرد باہر نہ نکلے۔ میں ان لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے بعد بھیجنے کے لئے آؤں گا۔ بائی دی وے بیگم سلطانہ کہاں ہیں؟"

"وہ سو رہی ہیں۔"

"اچھی بات ہے' آپ لوگ میرا انتظار کریں۔"

"افضال صاحب! کیا قاتل کا سُراغ ملا؟"

"مل جائے گا۔ اس قاتل نے سلامت کے ملازم پر بھی گولی چلائی تھی۔ خوش قسمتی سے وہ بچ گیا ہے۔ زخمی حالت میں اسپتال پہنچایا گیا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے' اسے ایک آدھ گھنٹے میں ہوش آجائے گا۔ اس ملازم نے قاتل کو ضرور دیکھا ہوگا۔"

شہناز کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا۔ وہ ریسیور ٹیلیفون اسٹینڈ سے لٹک کر نیچے جھولنے لگا۔ افضال احمد کی آواز آرہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "شیخ جواد کی بیٹی ثمینہ کا دماغی صدمہ بھی بڑی حد تک کم ہوگیا ہے۔ اس کے بیان کی روشنی میں بھی قاتل گرفتار ہوسکتا ہے۔"

شہناز کو ثمینہ کے بیان کی پرواہ نہیں تھی۔ اندیشہ یہ تھا کہ سلامت کے ملازم نے اسے پہچان لیا ہوگا۔ پہلی بار جب وہ ملازم چائے لے کر آیا تو بند دروازے کے باہر تھا۔ سلامت نے اسے واپس جانے کو کہا تھا' یوں ملازم نے پہلی بار شہناز کو نہیں دیکھا۔ دوسری بار شہناز نے جب دروازہ کھول کر اس پر گولی چلائی تو اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے کی وجہ سے وہ صرف زخمی ہوا تھا۔ یا تو بے ہوش ہوگیا تھا یا دم سادھے پڑا تھا۔ تیسری بار سلامت کو جلانے والی آگ نے دور تک کوٹھی کے اندر روشنی کر دی تھی۔ بس اسی روشنی میں ملازم نے اسے دیکھا ہوگا' شاید دیکھا ہوگا۔ شہناز کا دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا خدا کرے اس نے نہ دیکھا ہو۔

غلطیاں کرنے کے بعد جب غلط نتائج سامنے آتے ہیں تو سزا سے بچنے کے لئے صرف دعا کا ہی سہارا رہ جاتا ہے لیکن مجرمانہ ذہن رکھنے والوں کی دعاؤں میں عقیدے کی پختگی نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی تو ذہن مجرمانہ نہ ہوتا۔ وہ دعا مانگ رہی تھی۔ مگر یقین نہیں تھا کہ دعا قبول ہوگی۔

وہ اپنی خواب گاہ میں آئی۔ پھر ریسیور اٹھا کر زبیر سے رابطہ کیا۔ اس سے کہا۔ "سلامت کا ملازم زندہ ہے۔ اسپتال میں ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد بیان دینے والا ہے۔ شاید اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔"

"شاید کا مطلب ہے نہ بھی دیکھا ہو۔ کیا وہاں کافی روشنی تھی؟"

"نہیں تاریکی میں اسے گولی لگی تھی۔ پھر اس کی آواز سنائی نہیں دی۔ کافی دیر کے

بعد آگ کے شعلوں سے روشنی ہوئی تھی۔"

"تم کہتی ہو ملازم اسپتال میں بے ہوش ہے۔ پھر تو وہ گولی کھانے کے بعد ہی بے ہوش ہوا ہوگا۔ پھر بے ہوشی میں اس نے تمہیں کیسے دیکھا ہوگا؟"

"اوہ' تم جینئس ہو۔ تم نے بڑا اچھا نکتہ پیش کیا ہے۔ تم سے باتیں کرکے دل و دماغ کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے۔"

"کاش' میں تمہارے پاس ہوتا۔ تمہیں سر سے پاؤں تک ہلکا کر دیتا۔"

"اگر ملازم نے مجھے نہ پہچانا تو ہمارے ایک ساتھ رہنے کے راستے ہموار ہوجائیں گے۔ اچھا' میں پھر فون کروں گی۔"

اس نے ریسیور رکھا۔ اس کے ساتھ ہی حلق سے چیخ نکل گئی۔ اس کے اوپر ڈھیر سارا پانی آگرا تھا لیکن نہیں' پانی نہیں تھا۔ پٹرول کی بو آرہی تھی۔ اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا' ساس ایک ہاتھ میں بالٹی لئے نظر آئی۔ وہ بالٹی خالی ہوچکی تھی۔ اس میں جتنا پٹرول تھا' وہ شہناز کے لباس کو بھگو چکا تھا۔

ساس نے کہا۔ "بہو! تم دیکھ رہی ہو کہ میں بھی سر سے پاؤں تک پٹرول میں بھیگی ہوئی ہوں اور میرے ہاتھ میں دیا سلائی ہے۔ اس کی ایک ہی تیلی میرے پاس ہے۔ مرنے کے لئے ایک چٹکی زہر اور جلنے کے لئے ایک ہی تیلی کافی ہوتی ہے۔"

شہناز دہشت کے مارے دیدے پھیلائے پٹرول کو اپنی ذات سے ساس کے وجود تک دیکھ رہی تھی اور سمجھ رہی تھی۔ دونوں کا وجود چشم زدن میں جل کر راکھ ہوسکتا ہے۔ وہ اپنے شاہکار حسن کی راکھ کو تصور میں دیکھ کر کانپ گئی۔ عاجزی سے بولی۔ "یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟"

"خدمت شوز کمپنی کے چار پارٹنر جل گئے۔ پانچویں میں ہوں' مجھے بھی جل کر مرجانا چاہئے۔"

"آپ کیوں جلنا چاہتی ہیں؟ مجھے کیوں جلانا چاہتی ہیں؟ خدا کے لئے وہ ماچس کی ڈبیا پھینک دیں۔ نہیں تو میں مرجاؤں گی۔ میں مرنا نہیں چاہتی مجھے یہاں سے جانے دیں۔"

"اپنی جگہ سے ایک قدم بھی اٹھاؤ گی تو دوسرا قدم آگ کے شعلوں کے ساتھ اٹھے گا۔ دیکھو' تم نے وہی لائٹر سینڈل پہنا ہوا ہے جس کا ڈیزائن تم نے مجھے دیا تھا اور میں نے تمہارے لئے یہ تیار کرایا تھا۔ تمہیں قدموں تلے آگ لے کر چلنے کا بہت شوق تھا۔ کیا اپنے لائٹر کی چرخی کو ذرا سا گھماؤ گی؟"

وہ چیخ کر بولی۔ ”ایسی باتیں نہ کرو۔ میری جان نکل رہی ہے۔“

”تم نے میرے بیٹے کو اپنے حسن وشباب کا دیوانہ بنایا۔ اس نے میری مرضی کے خلاف تم سے شادی کی۔ کوئی بات نہیں‘ میں بیٹے کی خوشی کو گلے لگالیتی لیکن تم نے آتے ہی ثابت کر دیا کہ تم آتش قدم ہو۔ میرے گھر میں آگ لگاؤ گی۔ ایک دن میرے بیٹے کی جان لے کر اپنے یار کے پاس چلی جاؤ گی۔“

”یہ جھوٹ ہے‘ میں تمہارے بیٹے کو جان سے زیادہ چاہتی ہوں۔ جھوٹ بولوں گی تو جہنم کی آگ میں جلوں گی۔“

”وہ تو تو جلنے والی ہے۔ اس سے پہلے سن لو کہ اس لائٹر سینڈل کی ایک جوڑی میں نے اپنے لئے بھی بنوائی تھی۔“

”آپ نے اپنے لئے بھی؟“

”ہاں‘ وہ سینڈل پہن کر میں شیخ جواد کے ہاں گئی اور اسے اس کی بیٹی ثمینہ کے سامنے جلا ڈالا۔ جانتی ہو کیوں؟ اس لئے کہ ایک طرف شیخ جواد اور دوسری طرف سلامت علی مجھ بیوہ کو شادی کا پیغام دے رہے تھے۔“

وہ ذرا چپ ہوئی پھر بولی۔ ”میں تمہاری طرح حسین اور جوان نہیں ہوں مگر میری دولت اور جائیداد بہت حسین ہے۔ میں مال تیار کرنے والی پارٹنر ہوں۔ سونے کی چڑیا ہوں۔ میرے مسلسل انکار پر وہ دونوں دھمکیاں دینے لگے کہ منشیات کے دھندے کا راز فاش کر کے وہ ملک سے باہر چلے جائیں گے اور میں یہاں پھنس جاؤں گی۔ تیسری طرف ناشاد نظامی نے بھی دھمکی دی کیونکہ سلامت نے ایک حجام کی بیٹی کو بہو بنانے سے انکار کر دیا تھا۔“

شہناز نے کہا۔ ”آپ بہت مظلوم ہیں۔ ہم اطمینان سے بیٹھ کر پیار محبت سے باتیں کریں گے۔ پہلے لباس بدل لینا چاہئے۔“

”بکواس مت کرو۔ جہاں ہو‘ وہیں کھڑی رہو اور سنو کہ میں نے اب تک تمہاری خواہش کے مطابق کامل کو اپنی شوز کمپنی کا مالک کیوں نہیں بنایا؟ مجھے دشمنوں کی دھمکیوں نے سمجھا دیا کہ شوز کمپنی بیٹے کے نام سے ہوگی تو راز فاش ہونے پر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگے گی۔ اس لئے میں نے کارخانے سے اس کا کبھی کوئی تعلق رہنے نہیں دیا۔“

وہ خوشامدانہ انداز میں بولی۔ ”امی! آپ بہت سمجھ دار ہیں۔“

ساس نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں اس گھر میں آئے ڈھائی برس

ہوگئے۔ آج پہلی بار تم نے مجھے امی کہا ہے۔ میرے کان ترستے رہے‘ میرا دل پیار کے لئے دھڑکتا رہا کہ کبھی تم امی‘ آنٹی یا خالہ جان کہہ کر مخاطب کرو۔“

”آج سے میں دن رات امی کہوں گی۔ آپ کے قدموں میں رہوں گی۔“

وہ قدموں میں جھکنا چاہتی تھی‘ سلطانہ بیگم نے ڈانٹ کر کہا۔ ”خبردار! نہ قریب آنا نہ دور جانا۔ زیادہ سے زیادہ سانسیں لینا چاہتی ہو تو اپنی جگہ کھڑی رہو۔ میں بار بار وارننگ نہیں دوں گی۔“

وہ اپنی جگہ سیدھی کھڑی ہوگئی۔ سلطانہ بیگم نے کہا۔ ”میں نے شوز کمپنی اس لئے بھی بیٹے کے نام نہیں کی کہ تمہارا بھلا ہوگا۔ تم جلد سے جلد بیوہ ہونے کی کوشش کرتیں۔ موجودہ صورت میں پہلے مجھے ختم کرو گی تو بیٹا مالک بنے گا۔ بیٹے کو ختم کرو گی تب تمہاری مالکن بننے کی باری آئے گی۔ تم خود بھی یہ خواب دیکھتی رہیں۔ زبیر اور سلامت کو بھی یہی خواب دکھاتی رہیں۔“

وہ ایک ذرا توقف سے بولی۔ ”میں چاہتی تھی کہ ہم پانچوں پارٹنر مرجائیں۔ ہماری موت کے ساتھ ہی یہ دھندا ختم ہوسکتا ہے۔ جیتے جی ہیروئن سے حاصل ہونے والے اندھے منافع کو چھوڑنا کوئی نہیں چاہتا تھا۔ تم اس حرام کی دولت کا لالچ میرے بیٹے کو دے رہی تھیں‘ یہ دھندا ختم نہیں کرانا چاہتی تھیں۔“

”امی! جب اتنی عمر تک دھندا کیا ہے تو اب کیا قباحت ہے؟“

”اپنی اولاد کی خاطر میں نے قتل کئے۔ خود اپنی جان دینے جارہی ہوں۔ تاکہ میرا بیٹا اور بیٹے سے آگے چلنے والی نسل حلال کے رزق سے عزت اور شرافت کی زندگی گزارے۔ اگر کبھی راز فاش ہوا تو دنیا یہی کہے گی کہ غلط دھندا کرنے والے سب کے سب جل مرے۔ شرافت باقی رہ گئی ہے۔“ وہ ایک ذرا چپ ہوئی پھر ایک آہ کے ساتھ بولی۔ ”بہو! تم نے مجھے عذاب میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں بیٹے سے کہہ نہیں سکتی تھی کہ تم بدچلن ہو۔ میں تمہاری بدچلنی کا ثبوت بھی دے سکتی تھی۔ مگر بیٹے کا دل ٹوٹ جاتا یا وہ غیظ و غضب میں تمہیں قتل کر کے پھانسی کے پھندے تک پہنچ جاتا۔ میرے بیٹے کا دل ٹوٹ جاتا یا وہ مرجاتا تو تمہارا کیا جاتا؟ میں نے تخلیق کے کرب سے گزر کر اسے پیدا کیا۔ اسے بڑی ممتا سے اپنا دودھ پلایا۔ پچیس برس ہوگئے‘ اسے محبتوں‘ محنتوں اور دعاؤں سے پال رہی ہوں۔ بہو‘ وہ میرے پچیس برس کی عبادت ہے اور تم نے چند سیکنڈ میں تین بار قبول کہہ کر اسے ہتھیا لیا۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ باز جھپٹنے آئے تو مرغی اپنے پروں میں

بچوں کو سمیٹ لیتی ہے۔ تمہیں ایک ماں سے بیٹے کو چھیننے کے لئے تین بار قبول کہنا پڑا۔ مجھے اپنے بچے کو سلامت رکھنے کے لئے تین کی نہیں، صرف ایک تیلی کی ضرورت ہے۔"

وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "مجھے معاف کردو۔ تیلی پھینک دو، مجھے عقل آگئی ہے۔"

"میری بات ادھوری ہے۔ آگے سنو۔ قتل میں نے کیے ہیں مگر ان کا الزام تم پر آنے والا ہے۔ ایسے ٹھوس ثبوت ملنے والے ہیں کہ تم سزائے موت سے نہیں بچ سکو گی۔ پھر کیا ضرورت کہ میں تمہیں جلا کر ماروں۔"

وہ بدستور ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "یہ ٹھیک ہے، مجھے عدالت سے سزا پانے دو۔ میں کپڑے بدل لوں؟"

"نہیں، اگر جیل جاؤ گی تو میرا بیٹا تمہیں معصوم سمجھ کر تمہارے لئے تڑپتا رہے گا۔ اپنی دولت پانی کی طرح بہا کر تمہیں سزا سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ تم سے شدید نفرت کرے اور اپنی ماں کو قاتلہ سمجھے۔"

"وہ کیسے سمجھے گا، جب میں تمہیں ہلاک نہیں کر رہی ہوں۔"

"تمہاری موت سے یہی ظاہر ہوگا کہ تم نے اپنی خواب گاہ میں بلا کر مجھے اپنے ساتھ جلایا ہے کیونکہ تمہیں یقین ہوگیا تھا کہ چار قتل کے الزام سے بچ نہیں پاؤ گی۔ یہ پٹرول والی سرخ بالٹی تمہارے باتھ روم کی ہے۔ گھر میں ایسی دوسری بالٹی نہیں ہے۔ میرے ہاتھ کی ڈبیا اور تیلی ہمارے ساتھ راکھ ہوجائے گی، صرف تمہاری سینڈل کی ایڑی کا وہ لائٹر راکھ نہیں ہوگا۔ یوں ثابت ہوجائے گا کہ آگ تم نے لگائی ہے۔"

وہ گھبرا کر اپنے لائٹر سینڈل کو دیکھنے لگی۔ سلطانہ بیگم نے کہا۔ "آج ثمینہ کسی وقت پولیس کو بیان دے گی کہ ان کے باپ کو زندہ جلانے والی لائٹر سینڈل پہنے ہوئی تھی اور وہ لائٹر سینڈل تمہاری سوختہ لاش کے پاؤں میں ہوگی۔"

شہناز کی حالت ابتر تھی، جیسے پھانسی کے تختے پر کھڑی تھی اور پھانسی لگنے میں دیر ہو رہی تھی۔ انتظار ہی انتظار میں دم نکلا جارہا تھا۔ پھر ذرا عقل آئی کہ یہ دیر اس کے حق میں ہے۔ ڈی ایس پی افضال احمد نے فون پر کہا تھا کہ ایک سب انسپکٹر اور چند سپاہیوں کو بھیج رہا ہے۔ وہ لوگ آتے ہی ہوں گے۔ اس نے کچھ اور دیر کرنے کے لئے پوچھا۔ "پیاری امی! کیا آپ نے چاروں کو اپنے ہاتھوں سے جلایا ہے؟"

"نہیں، میں نے سلامت کو جھانسا دیا۔ اگر وہ دھنی رام اور ناشاد کو ٹھکانے لگا دے

تو میں اس سے شادی کرلوں گی۔ وہ بڈھا راضی ہوگیا۔ اس نے ناشاد نظامی سے کہا۔ اگر وہ دھنی رام کو ٹھکانے لگادے تو وہ اس کی بیٹی کو اپنی بہو بنالے گا۔ ناشاد نے کہا۔ وہ دھنی رام کو زندہ جلائے گا تاکہ اس کا الزام شیخ جواد کے قاتل پر ہی آئے............ یہ دنیا کیا ہے یہاں لالچی، خود غرض، قاتلوں اور دہشت گردوں کی بہتات ہے۔ سب ایک دوسرے کی لاش پر کھڑے ہو کر اونچے ہونا اور زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ ناشاد نے دھنی رام کے گھر پہنچ کر اسے بے بس کیا۔ اسے باندھ کر آگ لگائی۔ سلامت علی وہاں چھپا ہوا تھا۔ اس نے ناشاد کو گولی مار کر اسی آگ میں اسے بھی جھونک دیا۔"

"اور آپ سلامت علی کے گھر میں چھپی ہوئی تھیں؟"

"ہاں، میں بہت پہلے ہی اس پر حملہ کر دیتی مگر وہ ناشاد اور دھنی رام کو بھگتا کر گھر آیا تھا۔ پھر اس نے فون پر تمہیں دھمکی دے کر اپنے پاس آنے کا حکم دیا تھا۔ میں نے سوچا آج رات تم آزاد ہو، ضرور آؤ گی اور تم وہاں پہنچ گئی تھیں۔"

"آپ کی وہ لائٹر سینڈل کہاں ہے؟"

"کیا بات ہے؟ موت کا خوف بھول کر سوال پر سوال کئے جارہی ہو؟ بہرحال سن لو۔ جب کامل پیدا ہوا تو ہم بہت غریب تھے۔ میں اس کے ابا کے ساتھ جوتیاں تیار کرتی تھی۔ مجھے سینڈل کا اپر بنانا آتا تھا۔ کامل کے ابا باٹم تیار کرتے تھے۔ پھر ہمارے دن پھر گئے۔ میں بہت بڑی شوز کمپنی کی مالکن بن گئی۔ ایک طویل عرصے کے بعد میں نے دو راتیں لگا کر دو جوڑے تیار کئے۔ ایک اپنے لئے دوسرا تمہارے لئے۔ اس بات کا گواہ ہمارے کارخانے کا کوئی کاریگر نہیں ہے کہ دونوں جوڑے ان کی آنکھوں کے سامنے تیار ہوئے ہیں۔ صرف کامل جانتا ہے اسے بھی میرے سینڈل کی جوڑی کا علم نہیں ہے اور اب وہ جوڑی نہیں ہے۔ اسے میں نے ضائع کردیا ہے۔"

اسی وقت باہر گاڑی کی آواز سنائی دی۔ شاید پولیس کی گاڑی تھی۔ چند سیکنڈ کے بعد کال بیل کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی شہناز نے ساس پر چھلانگ لگا کر چیخ ماری۔ "بچاؤ، مجھے بچاؤ۔ یہ مجھے............"

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ تیلی جل چکی تھی، آگ بھڑک چکی تھی۔ وہ اٹھ کر بھاگنا چاہتی تھی، ساس اس سے لپٹ گئی۔ وہ مدد کے لئے پکارنا بھول گئی تھی۔ موت کی دہشت اور آگ کی جلن میں صرف چیخنا یاد رہ گیا تھا۔

پھر چیخنے کی سکت نہ رہی۔ ساس نے اسے چھوڑ دیا۔ اب اس میں زندگی برائے نام

رہ گئی تھی۔ اس نے آگ کے شعلوں میں بیٹے کو آواز دی۔ "میرے بچے........... خوش رہو۔ خوش..........."

شعلے بھڑک رہے تھے۔ باہر دروازے کو پیٹا جارہا تھا۔ انسپکٹر پوچھتا جارہا تھا۔ "یہ کیسی چیخیں ہیں' اندر کون ہے؟ تم جو کوئی ہو خود کو قانون کے حوالے کردو۔"

پھر دروازہ توڑنے کی آواز آئی۔ آخر وہ ٹوٹ گیا۔ ڈی ایس پی افضال' سب انسپکٹر اور سپاہی' چیخنے والی کو تلاش کرتے ہوئے خواب گاہ میں آئے۔ پھر ٹھٹک گئے۔ دو لاشیں جل رہی تھیں۔ سپاہی آگ بجھانے لگے۔ سب انسپکٹر نے ایک سوختہ لاش کے پیروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "سر! وہ دیکھئے لائٹر سینڈل۔"

ڈی ایس پی نے کہا۔ "ملازم کے بیان کے مطابق کامل کی بیوی شہناز نے لائٹر سینڈل پہنا تھا۔ ابھی میں ثمینہ کا بھی یہی بیان سن کر آرہا ہوں۔ یعنی وہ سوختہ لاش شہناز کی ہے اور یہ بے چاری سلطانہ بیگم ہے۔ اس طرح خیال قائم ہوتا ہے کہ شہناز کو گرفتاری اور سزائے موت کا یقین ہوگیا تھا۔ یہ ظالم بہو مرتے مرتے ساس کو بھی لے مری۔ افسوس!"

انہوں نے سلطانہ بیگم پر افسوس کرتے ہوئے دونوں لاشوں پر چادر ڈال دی۔ ان میں سے ایک لاش کے پاؤں ننگے تھے۔ وہ ماں کے پاؤں تھے جن کے نیچے جنت ہوتی ہے۔ دوسری لاش کے سوختہ سینڈل کہہ رہے تھے' بہو خواہ کتنی ہی آتش قدم ہو' وہ بیٹے کو ماں کی جنت سے نہیں نکال سکتی۔

شیرنی سے اس کے منہ کا نوالہ چھینا جاسکتا ہے' اولاد نہیں چھینی جاسکتی۔

☆======☆======☆